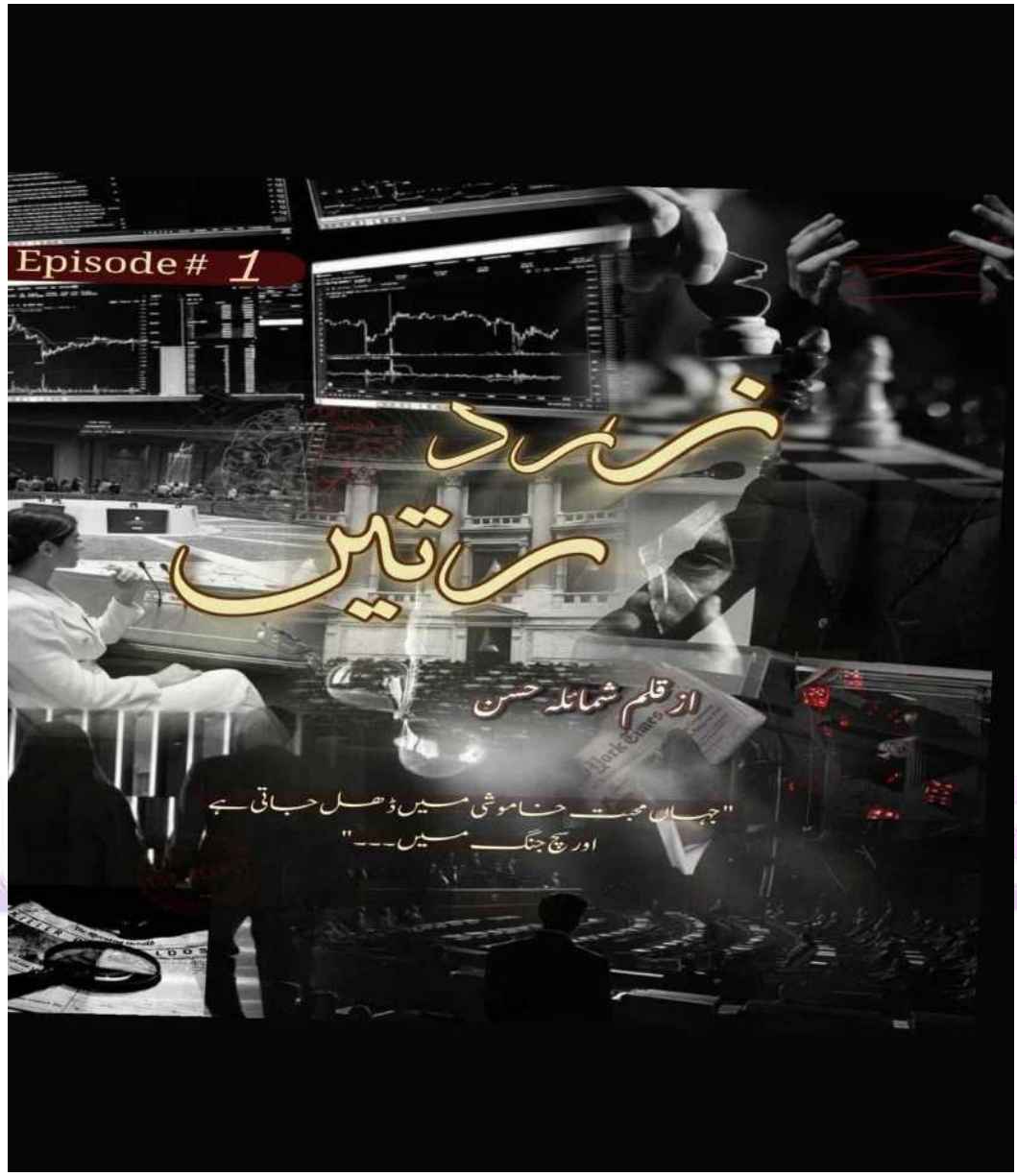

زرد رتیں

Zard Rutein

Writer_ **Shumaila Hassan**

قسط 1-5

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔۔

ڈسکلیمر۔

یہ ناول مکمل طور پر ایک تخیلاتی (Fictional) تصنیف ہے۔اس میں موجود تمام کردار، واقعات، ادارے اور سیاسی حالات مصنفہ کے تخیل کا حصہ ہیں۔اگر کسی حقیقی شخص، سیاسی جماعت، ادارے یا موجودہ نظام سے کوئی مشابہت محسوس ہو تو اسے محض اتفاق سمجھا جائے۔اس کہانی کا کسی حقیقی واقعے یا شخصیت سے براہِ راست کوئی تعلق نہیں۔

باب ا۔

"وہ جو ہم سے کھو گیا۔"

URDU NOVELS MAG

کچھ کہانیاں دیواروں کے پیچھے سانس لیتی ہیں۔۔۔

کچھ خاموش راہداریوں میں بھٹکتی ہیں۔۔۔

اور کچھ۔۔۔

زرد پتوں کی طرح وقت کے قدموں تلے بکھر جاتی ہیں۔

ہر سچ بولنے کے لیے نہیں ہوتا۔۔۔

کچھ سچ ایسے بھی ہوتے ہیں۔۔جن کی قیمتیں بہت بھاری ہوا کرتی ہیں۔

وہ رت بھی عجیب تھی۔۔۔

ہوا میں جیسے کسی بچھڑے ہوئے لمحے کی مہک گھلی ہوئی تھی۔۔۔

درختوں کی شاخیں خاموش تھیں۔۔۔

مگر یوں لگتا تھا جیسے ہر پتہ کسی راز سے واقف ہو۔

زرد موسم ہمیشہ خزاں نہیں لاتا۔۔۔

کبھی کبھی وہ ایسے راز لے آتا ہے۔۔۔

جو برسوں دفن رہنے کے بعد بھی مر نہیں پاتے۔

اور بعض کہانیاں۔۔۔

شروع ہونے سے پہلے ہی اپنا انجام لکھ چکی ہوتی ہیں۔

ریاست واشنگٹن کے شہر سئیٹل میں رات کی خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔

شہر کی بلند و بالا عمارتیں، جو دن کے وقت شور سے گونجتی تھیں۔ اس وقت چاند کی مدھم روشنی میں سنسان پڑی تھیں۔

گہرے سیاہ آسمان پر سفید بادل تیزی سے گزرتے جا رہے تھے۔

ایسے میں فیوچرون کے ہیڈ کوارٹر میں ایک ہلچل سی مچی محسوس ہوتی تھی۔

کمپنی کے وار روم میں بیٹھے چند لوگ بے چین دکھائی دیتے تھے۔

سامنے کھلی اسکرینز پر رئیل ٹائم نیٹ ورک ٹریفک، فائر وال الرٹس اور سسٹم لاگز تیزی سے بدل رہے تھے۔

URDU NOVELS MAG

ٹیک مینجر کے چہرے پر حواس باختگی تھی۔

"کیا ہوا اب تک وہ آیا کیوں نہیں؟"

اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔

"سر۔۔ میں نے کال کی تھی۔ بس وہ آنے ہی والے ہوں گے۔"

اسکرین کے سامنے بیٹھے شخص نے چند کیز دباتے عجلت میں جواب دیا۔

تب ہی کمرے کا دروازہ کھلا۔

پانچ فٹ گیارہ انچ کا وجیہہ اور پراعتماد نوجوان اندر داخل ہوا۔

سیاہ جوگ ٹراؤزر اور سیاہ ہڈی میں ملبوس۔

گہری بھوری آنکھوں میں ذہانت کی چمک واضح تھی۔ چہرے پر ہلکی داڑھی اس کی شخصیت کو جاذب نظر بناتی تھی۔

اٹھی ہوئی مغرور ناک اور گھنگھریالے بھورے بال ایک غیر رسمی سا وقار دے رہے تھے۔

URDU NOVELS MAG

یہ تھا وہب کیانی۔

سئیٹل کا معروف ایتھیکل ہیکر!

وہ فیوچرون کا مستقل ملازم نہیں تھا۔

مگر سائبر کرائسز کی صورت میں کمپنی کا پہلا اور آخری انتخاب ہوتا تھا۔

وہ سیدھا مرکزی اسکرین تک چلتا ہوا گیا۔

سامنے کھلی اسکرین پر جلی حروف میں

".Multiple failed login attempts"

کے الفاظ جگمگا رہے تھے۔

"سر ہم نے تین بار آئی پی بلاک کیا ہے۔ لیکن۔۔"

"اس کا کوئی فائدہ نہیں۔"

اس نے بیچ سے ہی بات کاٹ دی۔

URDU NOVELS MAG

"جب تک سورس نہ سمجھ آئے، بلاک بے معنی ہے۔"

ساتھ لایا لیپ ٹاپ کھولتا وہ نزدیک ہی بیٹھ گیا۔

"ٹوکن verify کرو۔۔ میں براہ راست لاگز دیکھوں گا۔"

کچھ ہی دیر میں اس کی انگلیاں تیزی سے کی بورڈ پر رقص کرنے لگیں۔

"یہ لاگ ان کمپنی کے vpn کے ذریعے ہو رہا ہے۔ کسی نے انٹرنل سسٹم میں بیک ڈور کھلا چھوڑا ہے۔"

انگلیاں چلانے کے ساتھ اس نے ایک نظر وہاں بیٹھے لوگوں پر ڈالی۔

"اندر سے؟"

مینیجر کے چہرے کا رنگ اڑا تھا۔

"کوئی ایسا ہے جو کمپنی کے نیٹ ورک کی ساخت کو جانتا ہے۔"

کمرے میں ایکدم سناٹا چھا گیا۔

URDU NOVELS MAG

"دلچسپ!"

کچھ دیر بعد وہ آنکھیں چندھیائے گویا ہوا۔

"یہ یوزر دن میں سسٹم استعمال نہیں کر رہا۔

مگر روز رات دو بجے خود بخود سسٹم میں داخل ہو جاتا ہے۔ یعنی کسی نے اسے پروگرام کیا ہوا ہے۔"

مینیجر نے بے یقینی سے اسکرین دیکھی۔

"مگر۔۔ یہ تو HR کا اکاؤنٹ ہے۔ ظہیر!"

وہب نے ہلکا سا سر ہلایا۔

"یا تو اس کے credentials کمپرومائز ہو چکے ہیں یا پھر---"

اس نے معنی خیزی سے جملہ ادھورا چھوڑا۔

"فی الحال میں اس چینل کو کاٹ رہا ہوں۔"

اس نے ایک نظر اٹھا کر دیکھا۔

"اگر دوبارہ اسی روٹ سے آنے کی کوشش کرے گا تو ہمیں اس کی لوکیشن مل جائے گی۔"

اس کی انگلیاں ایک بار پھر تیزی سے کی بورڈ پر چلنے لگیں۔

"فی الحال رستہ بند ہے۔"

کچھ دیر بعد ایک گہرا سانس بھرا۔

کرسی پیچھے کھسکاتے وہ کھڑا ہوا۔

"آگے؟"

مینیجر اب بھی کافی پریشان دکھائی دیتا تھا۔

"ابھی ظہیر کو کچھ مت بتائیں۔"

اس نے لیپ ٹاپ بند کیا۔

"مگر اس کا اکاؤنٹ محدود کر دیں۔۔"

اس کی نگاہیں مینیجر پر جمی تھیں۔

URDU NOVELS MAG

"اگر وہ خود قصوروار ہے تو گھبرائے گا۔ اگر نہیں تو اصل مجرم اگلی حرکت ضرور کرے گا۔"

بیگ کندھے پر ڈالتے وہ جانے کے لیے پلٹ گیا۔

"اور ہاں۔۔"

کچھ یاد آنے پر وہ مڑا۔

"اگلے کوارٹر کی سیکوریٹی آڈٹ رپورٹ میں جو تجاویز دی تھیں۔ انہیں نظر انداز مت کیجئے گا۔

آج کا حملہ ان کی کمزوریوں کی وجہ سے ہوا ہے۔"

ہدایت دیتا وہ کمرہ چھوڑ کر نکل گیا۔

سئیٹل کی شام ہمیشہ کی طرح بارش میں بھیگی ہوئی تھی۔

شہر کی سڑکیں نیون لائٹس کے عکس سے چمک رہی تھیں۔۔ جبکہ ہوا میں کافی اور گیلی مٹی کی ملی جلی خوشبو گھلی ہوئی تھی۔

ڈاؤن ٹاؤن کے قریب موجود ٹیک کانفرنس سینٹر سے لوگ نکل رہے تھے۔

لیپ ٹاپ بیگز کندھوں پر ڈالے۔۔ ہاتھوں میں کافی کے مگ تھامے۔

URDU NOVELS MAG

یہ سالانہ Cyber Security Summit تھی۔ جہاں دنیا بھر سے ٹیک ماہرین اور ریسرچرز شریک ہوئے تھے۔

ان ہی میں ایک لڑکی بھی چلتی دکھائی دے رہی تھی۔

بھورے بال، دبلا پتلا سراپا، لمبا قد اور بھوری آنکھوں میں شوخی۔

یہ تھی میرال چوہدری۔۔

یونیورسٹی آف واشنگٹن سے Cyber Media and Digital Security میں ماسٹرز مکمل کر چکی تھی۔

سامنے سے گزرتے شخص پر اس کی نظر پڑی۔

"وہب؟"

وہ دھیمے سے مسکرائی۔

کالی جیکٹ، کالی جینز اور ہاتھ میں فون تھامے وہب کیانی اسکرین پر نظریں جمائے چل رہا تھا۔

"ہیلو!"

URDU NOVELS MAG

آواز پر وہب نے سر اٹھایا۔

"ہائے۔"

انداز حسبِ معمول رسمی تھا۔

"واہ۔ آپ لوگوں کو پہچان بھی لیتے ہیں؟"

لہجے میں ہلکی سی شرارت تھی۔

"مجھے لگا تھا صرف IP ایڈریسز یاد رکھتے ہوں گے۔"

وہب کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ ابھر کر معدوم ہوئی۔

"ضرورت پڑے تو لوگ بھی یاد رہ جاتے ہیں۔"

اس نے سرسری نظر اردگرد دوڑائی۔

شاید نکلنے کا سوچ رہا تھا۔

"خاص طور پر وہ لوگ جو آدھی رات کو سسٹم ایشو پر بار بار کال کریں؟"

وہب گردن جھٹکتے ہنس دیا۔

اسی لمحے بارش اچانک تیز ہو گئی۔

دونوں تیزی سے بھاگتے ہوئے قریب موجود شیڈ کے نیچے جا کھڑے ہوئے۔

"کافی؟"

نزدیک نظر آتے کیفے کی طرف اشارہ کرتے میرال نے ابرو اٹھائے۔

وہب کی گردن نفی میں ہلی۔

"مجھ پر due ہے۔"

میرال نے کندھے اچکائے۔

"وہ کیسے؟"

وہب کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

"میں نے اب تک آپ کا پراپر تھینکس نہیں کہا نا۔"

وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔

URDU NOVELS MAG

"ٹھیک ہے۔"

میرال کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی۔

چند منٹ بعد دونوں کیفے کی کھڑکی کے پاس بیٹھے تھے۔

باہر بارش شیشے سے مسلسل ٹکرا رہی تھی۔

دونوں کے ہاتھوں میں کافی کے کپ تھے۔

"Thanks"۔

میرال کی آواز پر اس نے گردن موڑی۔

"اگر آپ اس دن میری ہیلپ نہ کرتے تو میرا دو سال کا ڈیٹا گیا تھا۔"

وہ ہلکی سی جھرجھری لے کر رہ گئی۔

".Thank you accepted"

URDU NOVELS MAG

وہب نے بے نیازی سے کافی کا گھونٹ لیا۔

میرال دھیمے سے ہنس دی۔

کچھ دیر دونوں کے درمیان خاموشی رہی۔

وہب کی نگاہیں دوبارہ کھڑکی سے باہر جم گئیں۔

جہاں بارش کی بوندیں پھسلتی ہوئی عجیب دلکش منظر بنا رہی تھیں۔

جبکہ میرال کی نظریں بار بار غیر محسوس انداز میں اس کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔

"ایک بات پوچھوں؟"

کافی کے مگ پر انگلی پھیرتے اس نے بغور وہب کو دیکھا۔

وہب نے محض ہنکارا بھرنے پر اکتفا کیا۔

"آپ ہمیشہ اتنے reserved کیوں رہتے ہیں؟"

اس کے انداز میں تجسس تھا۔

URDU NOVELS MAG

"کیونکہ زیادہ بولنے والے لوگ اکثر غلط چیزیں کہہ دیتے ہیں۔"

"اور کم بولنے والے؟"

"وہ کم از کم regret کم کرتے ہیں۔"

اس نے اب کی بار گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

میرال بھی چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔۔ پھر ہلکا سا مسکرائی۔

"آپ کافی interesting ہیں۔"

"دلچسپ صرف کہانیاں ہوتی ہیں۔"

اس نے دوبارہ کپ لبوں سے لگا لیا۔

"تو پھر آپ ابھی تک unpublished کیوں ہیں؟"

اس نے مسکراہٹ دبائی۔

وہب نے گہرا سانس لیا اور خالی کپ میز پر رکھ دیا۔

والٹ سے چند نوٹ نکال کر کپ کے نیچے دبائے۔

"یہ میری طرف سے تھی۔"

URDU NOVELS MAG

وہ بے ساختہ بول اٹھی۔

وہب نے ایک نظر اسے دیکھا۔

"پھر کبھی سہی۔۔"

مختصر سا جواب دے کر وہ کرسی چھوڑتا اٹھا۔

"یعنی ہم دوبارہ ملیں گے؟"

"اور ہو سکتا ہے کبھی نہ ملیں؟"

اس نے کندھے اچکائے۔ میرال کا چہرہ بجھا تھا۔

وہب کیفے سے نکل گیا۔

باہر بارش تھم چکی تھی۔

شیشے کے پار وہ دور جاتا دکھائی دے رہا تھا۔

میرال خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

عجیب آدمی تھا۔

کم بولتا تھا۔۔ مگر ہر جواب جیسے پہلے سے تیار کر کے رکھتا ہو۔

اور شاید یہی چیز تھی جو اسے بار بار اس کی طرف متوجہ کر رہی تھی۔

وہ خود بھی گہرا سانس بھرتی کرسی دھکیلتی کھڑی ہو گئی۔

سی ٹیک ائیر پورٹ پر اس وقت بھانت بھانت کے لوگوں کا ایک جم غفیر تھا۔

ہر طرف مصروفیت اور گہما گہمی تھی۔

کچھ لوگ سنجیدگی سے اپنی ٹرالیاں گھسیٹتے ویٹنگ لاؤنج کی جانب گامزن تھے تو کچھ ہنستے کھلکھلاتے ڈیوٹی فری شاپس سے خریداری میں مصروف تھے۔

ان ہی کے درمیان وہب کیانی بھی تھا۔

جو سنجیدگی سے ہاتھ میں بورڈنگ پاس تھامے امیگریشن کاؤنٹر کی جانب بڑھ رہا تھا۔

ہلکے سرمئی ٹریک سوٹ میں ملبوس اس کے چہرے پر حزن صاف دکھائی دیتا تھا۔

آنکھیں سرخی مائل تھیں جن میں چھپا درد واضح تھا۔

"تھینکس!"

امیگریشن کاؤنٹر سے اسے کلئیر کیا گیا تو وہ شکریہ ادا کرتا اپنے ڈاکومنٹس اٹھا کر آگے بڑھ گیا۔

کچھ دیر بعد وہ ویٹنگ لاؤنج میں بیٹھا تھا۔

ہاتھ میں تھامے موبائل پر ایک تصویر کھلی تھی۔

جس میں وہ کافی چھوٹا دکھائی دیتا تھا جبکہ اس کے برابر ایک بھرپور جوان لڑکا کھڑا مسکرا رہا تھا۔

اس کے چہرے پر بردباری تھی جبکہ خود وہب کیانی کے چہرے پر ایک کھلنڈرا سا تاثر تھا۔

"بھیا میں آپ کے قاتلوں کو نہیں چھوڑوں گا۔ یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔"

اس نے اسکرین پر ہاتھ پھیرا۔ تصویر دھندلانے لگی تھی۔

تب ہی اسپیکر پر بورڈنگ کے لیے اناؤنسمنٹ شروع ہو گئی۔

ایک گہرا سانس بھرتا وہ اپنا ہینڈ کیری اٹھائے گیٹ کی جانب بڑھ گیا۔

اسلام آباد کے سیکٹرایف سیون میں اس وقت صبح کی سپیدی پھیلی ہوئی تھی۔

دور نظر آتی مارگلہ کی پہاڑیاں دھند میں لپٹی نظر آتی تھیں۔

علاقے میں روزمرہ کی مصروفیات جاری تھیں۔ سوائے قصر کیانی کے جہاں تین دن سے سوگ کی فضا قائم تھی۔

وجہ اسفند کیانی کی موت تھی جو ائیرپورٹ سے واپسی پر ایک اندوہناک حادثے کا شکار ہو گیا تھا۔

اس کی میت ایک سرد خانے میں وہب کیانی کے انتظار میں رکھی تھی۔۔

جو پچھلے آٹھ سالوں میں ایک مرتبہ بھی پاکستان نہیں آیا تھا۔ اور شاید کبھی واپس نہ آتا گر یہ دل چیرتی خبر نہ سنتا۔

کچھ دیر پہلے ہی وہ گھر پہنچا تھا اور اس وقت ڈارائنگ روم میں دلگرفتہ سا بیٹھا تھا۔

اس کے دائیں جانب ایک ادھیڑ عمر خاتون بیٹھی تھیں۔ اس کی گردن کے گرد بازو حمائل کیئے وہ چپکے چپکے آنسو بہا رہی تھیں۔

یہ تھیں "طیبہ کیانی"

وہب کیانی کی ماں--

یہ ان کا دوسرا بیٹا تھا جو یوں بھری جوانی میں جان سے گیا تھا۔

سامنے ہی جھکے کندھوں سے بیٹھا آدمی کسی گہری سوچ میں ڈوبا تھا۔

یہ تھے "مراد کیانی--"

وہب کیانی کے بابا اور پنجاب اسمبلی کے اپوزیشن لیڈر!

بیٹے کی موت نے تین دنوں میں جیسے انہیں بوڑھا کر دیا تھا۔

کمرے میں موت کا سا سناٹا چھایا ہوا تھا۔

"کیا واقعی یہ حادثہ ہے؟"

وہب کی لرزتی آواز کمرے میں گونجی۔

"میں نے معلوم کروانے کی کوشش کی ہے۔ ملی جلی خبریں آ رہی ہیں۔

کوئی کہتا ہے حادثہ ہے کوئی کہتا ہے سازش۔"

مراد کیانی کی آواز بہت مدھم تھی۔

"تو کیا چوہدریز؟"

وہب کے سوال پر انہوں نے ایک گہرا سانس بھرا۔

"میرا نہیں خیال۔"

ان کی گردن نفی میں ہلی۔

"چار سال قبل مصطفی چوہدری کی موت کے بعد ہمارا چوہدریوں سے معاہدہ ہو چکا ہے۔

کہ اب ہم بھلے ایک دوسرے کو مالی اور سیاسی نقصان پہنچائیں۔۔

لیکن اس جانی نقصان کی سیاست ہمیں بند کرنی ہو گی۔"

انہوں نے ایک بوجھل سانس خارج کیا۔

"بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس معاہدے کا مشورہ خود اسفند نے دیا تھا۔"

ان کی آنکھوں میں نمی چمکی۔

وہب لب بھینچ گیا۔

"دونوں خاندانوں کے مردوں نے اس معاہدے پر دستخط کئے تھے۔"

"پولیس کیا کہتی ہے؟"

وہب کے سوال پر مراد کیانی ہنسے۔

پھیکی اور دلگرفتہ سی ہنسی۔

"پولیس کیا کہہ سکتی ہے۔
حکومت چوہدریوں کی ہے تو میڈیا اور پولیس تو وہی کہیں گے جو حکومت کا موقف ہو گا۔"

"تدفین کب ہے؟"

اس نے سنجیدگی سے اگلا سوال کیا۔ فی الحال ہر دوسری بات غیر اہم تھی۔

"بس تمہارا انتظار تھا۔ عصر کے بعد کا سب کو کہہ دیا ہے۔"

"مجھے بھائی کو دیکھنا ہے۔"

طیبہ کے سر پر پیار کرتا وہ صوفہ چھوڑتا کھڑا ہوا۔

"نہ دیکھو تو بہتر ہو گا۔"

وہب نے بے یقینی سے باپ کو دیکھا۔

"اسے دیکھنے کے بعد میں تین راتوں سے سو نہیں سکا ہوں۔"

مراد کی آنکھوں کی سرخی کچھ اور گہری ہوئی تھی۔

URDU NOVELS MAG

"دیکھ لوں گا تو شاید بدلہ لینے کا ارادہ مزید مضبوط ہو جائے گا۔"

اس کا لہجہ خطرناک حد تک سنجیدہ تھا۔

مراد اسے چند لمحے دیکھتے رہے پھر خود بھی گہرا سانس لیتے کھڑے ہو گئے۔

دونوں کا رخ کار پورچ کی جانب تھا۔

دور سے دکھائی دیتا تھا کہ ان کی چالیں متوازن نہیں تھیں۔

شاید جس جگہ وہ جا رہے تھے وہاں کے لیے قدم اٹھانا بڑا صبر آزما مرحلہ تھا۔

اگلے کچھ ہی گھنٹوں میں اسفند کی تدفین ہو گئی تھی۔

شام کا ملگجا سا اندھیرا ہر سو چھانا شروع ہو چکا تھا۔ تعزیت کرنے والے آہستہ آہستہ رخصت لے رہے تھے۔

ان میں اکثریت میڈیا والوں اور سیاستدانوں کی تھی کیونکہ اسفند اور مراد کیانی کا سارا حلقہ احباب وہی تھا۔

"صاحب سی ایم صاحبہ تشریف لائی ہیں۔۔"

ابھی وہ لوگوں سے مکمل طور پر فارغ ہو کر بیٹھے بھی نہیں تھے کہ ملازم نے انہیں اطلاع پہنچائی۔

"ٹھیک ہے انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ۔"

کچھ دیر بعد وہ خود بھی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے۔

جہاں پچپن چھپن کے لگ بھگ کی خاتون صوفے پر براجمان تھی۔

را سلک کے آف وائٹ سوٹ پر گہرا بھورا کوٹ اور سر پر دوپٹہ جمائے وہ بظاہر ایک پرکشش عورت لگتی تھی۔

یہ تھی "طلعت چوہدری۔"

جسے پنجاب کی تیسری خاتون وزیر اعلیٰ ہونے کا اعزاز حاصل تھا۔

اس کے عقب میں ایک شخص چپ چاپ کھڑا تھا۔ گہری گندمی رنگت، سپاٹ چہرہ اور باریک داڑھی۔

یہ عادل یونس تھا۔ طلعت چوہدری کا ذاتی محافظ۔

"اوہ مراد۔۔۔ اسفی کی موت کا سن کر بہت دکھ ہوا۔"

مراد کیانی کو دیکھتے ہی وہ سیدھی ہوتی کھڑی ہوئی۔ آنکھوں میں ایک نرم سا تاثر ٹھہرا ہوا تھا۔

URDU NOVELS MAG

"شکریہ تمہارے یہاں تک آنے کا۔ بیٹھو۔"

اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے انہوں نے خود بھی نشست سنبھالی۔

"مراد۔۔ اسفی کے کیس میں آپ کو مجھ جس بھی قسم کی مدد درکار ہو۔ مجھے بتائیے گا۔"

اس کی آواز اس کی صورت کی طرح خوبصورت تھی۔ مراد چند لمحے اسے بغور دیکھتے رہے۔

"مجھے یہ حادثے سے زیادہ سازش لگتی ہے۔ قتل کی سازش!"

آنکھوں میں سرد مہری تھی۔

"کسی پر شک ہو تو بتائیں۔"

طلعت کا لہجہ دھیما تھا۔۔ لیکن مراد کیانی کے دل میں ایک تلخ لہر اٹھی تھی۔

"طلعت۔۔۔ بس دعا کرو اس سب میں تمہارے خاندان سے کسی کا لینا دینا دور دور تک نہ ہو۔"

اگلے ہی پل طلعت کے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ بھی کچھ لمحوں کے لیے مدھم پڑ گئی۔

URDU NOVELS MAG

"مراد، آپ جانتے ہیں کہ ہمارے درمیان ایک معاہدہ طے پا چکا ہے۔۔
تو پھر اس قسم کی بات کا میں مطلب کیا لوں؟"

اس کا لہجہ ہنوز نرم تھا۔

"میں جانتی ہوں۔۔ اس وقت آپ کس ذہنی اذیت سے گزر رہے ہیں۔
یہ بھی جانتی ہوں کہ سیاست میں دشمنیاں کبھی ختم نہیں ہوتیں۔ نہ ہی تعلقات!"

اس نے ایک گہرا سانس خارج کیا۔

مراد نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"لیکن اتنا ضرور جانتی ہوں کہ اسفند کی موت کے پیچھے کچھ سازشیں ضرور ہیں۔

اور ان سے پردہ اٹھانے کے لیے ہمیں ایک ہونا پڑے گا۔"

اب کی بار مراد ایکدم چونکے تھے۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟ کیا تم جانتی ہو اسفند کے قاتل کون ہیں؟"

انہوں نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

طلعت کچھ ساعتوں کے لیے خاموشی سے مراد کیانی کو دیکھے گئی۔

وہ آج بھی اتنے ہی خوبرو تھے جتنے اپنی جوانی میں ہوتے تھے اور طلعت چوہدری کے دل کی دنیا تہہ وبالا کر چکے تھے۔

مراد کیانی، طلعت چوہدری کے ماموں زاد تھے۔

لیکن لاکھ چاہنے کے باوجود دونوں کی شادی نہ ہو سکی کہ یہ خاندانی دشمنیاں اکثر محبتوں کے لیے قبرستان بن جایا کرتی ہیں۔

"میں ابھی بنا ثبوت کچھ نہیں کہہ سکتی۔"

اس نے گردن جھٹکتے گہرا سانس لیا۔

"لیکن اگر واقعی یہ سازش تھی تو جلد ہی آپ کے دشمن آپ کے کٹہرے میں لا کھڑے کروں گی۔"

اب کی بار وہ صوفہ چھوڑتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بس آپ کو یہ یاد دلانے آئی ہوں کہ اس وقت میرے ساتھ چلنا آپ کے لیے بہتر ہے۔
میں اور آپ پہلے ہی اس دشمنی کے ہاتھوں بہت نقصان اٹھا چکے ہیں۔"

سر پر پہنے دوپٹے کو درست کرتے وہ چند قدم آگے بڑھی۔

"طلعت میری چھٹی حس ایسا کیوں کہہ رہی ہے کہ تم کسی مشکل کا شکار ہو۔"

عقب میں مراد کیانی کی آواز گونجی۔

طلعت کے بڑھتے قدم ٹھٹھکے۔

"ورنہ اقتدار میں بھی تم ہو، طاقت کا سرچشمہ بھی تمہارے ہاتھ ہے۔

میں تو اس وقت بہت کمزور پوزیشن میں ہوں تو ایسا کیا راز ہے کہ تم مجھ سے مفاہمت کا ہاتھ ملانا چاہتی ہو۔"

طلعت گہرا سانس بھرتی پلٹی۔

ایک نظر مراد پر ڈالی۔

"مجھے آپ کے جواب کا انتظار رہے گا مراد۔"

جواب دیتی وہ دروازے کی دہلیز پار کر گئی۔ عادل نے بھی اس کی پیروی کی۔

مراد کیانی وہیں خاموش کھڑے رہے۔

ان کی نگاہیں اب سامنے دیوار پر لگی اسفند کیانی کی تصویر پر تھیں۔

آنکھیں دھندلانے لگیں تو وہ کمرہ چھوڑ کر چلے گئے۔

رات کے ساڑھے نو بج رہے تھے۔ لاہور کی ٹھنڈی اور دھند آلود فضا میں سڑکیں نیم تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

مال روڈ کے عقب میں واقع گورنر ہاؤس اور دیگر اہم عمارات کے درمیان وزیر اعلیٰ ہاؤس کی جانب جاتی سڑک پر ہلکی ہلکی روشنی بکھری ہوئی تھی۔

اس مخصوص علاقے میں خوبصورت بنگلوں کی قطار تھی۔

لیکن سڑک کے آخری سرے پر بلند ستونوں والا وہ بنگلہ سب سے منفرد اور نمایاں تھا۔

جس کے ماتھے پر "کاشانہ چوہدری" کندہ ہوا تھا۔

وہ کسی دیو مالائی داستانوں کے محل جیسا تھا جس میں داخل ہونا عام انسان کے لیے ناممکن ہوتا ہے۔

اور شاید اسی لیے باہر احاطے میں باوردی گارڈز کی ایسی مسلح فوج کھڑی تھی گویا یہ کسی ملک کا بارڈر ہو۔

گھر، احاطے سے کافی دور اندر کی جانب بنا تھا۔

رات کے اس پہر اوپری منزل کی قد آدم فرنچ ونڈو سے مدھم روشنی پھوٹتی نظر آ رہی تھی۔

یہ طلعت چوہدری کا بیڈروم تھا جہاں اس وقت وہ اپنی آرام کرسی پر بیٹھی برہم دکھائی دیتی تھی۔

گہرے نیلے بنا آستینوں کے کوآرڈ سوٹ پر بالوں کا جوڑا بنائے وہ اپنے عوام میں نظر آنے والے حلیے سے قطعی مختلف دکھائی دیتی تھی۔

سیاسی محفلوں میں سر پر ڈھانپا دوپٹہ بھی اس وقت سرے سے ندارد تھا۔

سامنے رکھے صوفے پر لگ بھگ بتیس برس کا مرد بیٹھا تھا۔

جس کی آنکھوں میں اس وقت بیزاری صاف دکھائی دیتی تھی۔

وہ دکھنے میں اپنی ماں کا عکس تھا۔

دراز قد، گوری رنگت۔ ان ہی کی طرح کرشماتی شخصیت کا مالک۔

یہ تھا "فخر چوہدری۔۔"

طلعت چوہدری کا چھوٹا بیٹا اور چوہدری شوگر ملز کا چیئرمین۔۔

"جانتے ہو نا فخر تمہاری غلطی کا خمیازہ مجھے بھگتنا پڑے گا۔"

اپنی چمکیلی بھوری آنکھیں اس نے بیٹے پر گاڑیں۔ آواز میں سختی تھی۔

"میں نے وہی کیا جو مجھے ٹھیک لگا۔

اور آپ کو کیا لگتا ہے کہ اگر میں وہ نہیں کرتا تو اس وقت آپ کی کرسی سلامت رہتی؟"

اس کا انداز تمسخر اڑاتا ہوا تھا۔

طلعت کے چہرے پر ایک سایہ آ کر گزرا۔

"مجھے معلوم ہے کہ مجھے اپنی کرسی کیسے بچانی ہے۔

اسے حاصل بھی میں نے اپنے بل بوتے پر کیا ہے اور اسے بچانا بھی مجھے آتا ہے۔" اب کی بار وہ بولی تو لہجے میں ایک عجب طرح کی کاٹ تھی۔

"تم مجھے سیکھ مت دو۔

تمہارا کام بزنس دیکھنا ہے بس اس تک خود کو محدود رکھو۔۔"

فخر چوہدری ایک گہرا سانس بھرتا صوفہ چھوڑتا کھڑا ہوا۔

دونوں ہاتھ ٹراؤزر کی جیبوں میں ڈالے۔۔ چند لمحے ماں بغور دیکھتا رہا جیسے کچھ کہنا چاہتا ہو۔

پھر گردن جھٹکتے خارجی دروازے کی جانب بڑھ گیا۔

"اسفند۔۔۔"

جاتے جاتے کسی خیال کے تحت وہ پلٹا۔

"شششش۔۔۔ ایک لفظ اور نہیں۔

دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔"

اس سے پہلے کہ فخر کا جملہ مکمل ہوتا طلعت تیزی سے صوفہ چھوڑتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

فخر نے اکتائے ہوئے لہجے میں گردن دائیں سے بائیں ہلائی اور دروازہ بند کرتا باہر نکل گیا۔

پیچھے کھڑی طلعت کافی پریشان دکھائی دیتی تھی۔

اسفند کی گاڑی کا حادثہ فخر نے کروایا تھا یہ بات اسے اچھی طرح معلوم تھی۔

وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اسفند کے پاس ان کے ایسے راز تھے جو کھل جاتے تو واقعی وہ نہ صرف اپنی کرسی بلکہ ساکھ بھی کھو بیٹھتی۔

لیکن وہ پھر بھی قتل و غارت کے حق میں نہیں تھی۔

ایک تو کیانیوں کے ساتھ ان کا معاہدہ تھا دوسرے اس طرح کے قتل کو چھپانا بھی ایک الگ درد سر تھا۔

اس کرسی کو حاصل کرنے کے لیے اس نے کتنے پاپڑ بیلے تھے۔۔

اور اب اس پر اپنی ملکیت رکھنے کے لیے اسے کتنے جتن کرنے پڑ رہے تھے۔ یہ صرف وہ ہی جانتی تھی۔

اس کی اولادیں تو بس اس کی محنت پر عیاشی کر رہی تھیں۔

ایک گہرا سانس خارج کرتے وہ دیوار تک گئی جہاں اس کے باپ کی تصویر لگی تھی۔

"ابا۔۔۔ میں نے سیاست آپ سے سیکھی۔

میری پہلی درسگاہ آپ ہیں۔

آج اگر میں یہاں ہوں تو اس کا سارا کریڈٹ آپ کو جاتا ہے۔"

تصویر پر ہاتھ پھیرتے وہ نم آنکھوں سے مسکرائی۔

"میری بڑی خواہش تھی کہ جب میں ملک کی وزیراعظم بنوں تو آپ میرے ساتھ ہوں۔

لیکن آپ تو میری کامیابیوں کے شروع ہونے سے پہلے ہی مجھے اکیلا چھوڑ گئے۔

میرے بچے مجھے سمجھتے نہیں۔ اور وہ اکبر چوہدری۔۔"

بولتے بولتے اس کے منہ کے زاویئے بگڑے تھے۔

"وہ تو بس آج بھی اپنی عیاشیوں میں لگا پڑا ہے۔ میں تنہا ہوں۔۔۔ اکیلی ہوں۔۔ آپ کو بہت مس کرتی ہوں۔"

تصویر اب دھندلانے لگی تھی اور ساتھ طلعت چوہدری کہ ہمت وصبر کا پیمانہ بھی۔

روز رات اپنے سارے زخم باپ کو دکھا کر اس کا دکھ ہلکا ہو جاتا تھا۔

اگلے دن وہ ایک بار پھر وہی دبنگ عورت بن جاتی تھی جس کے اشارے پر بڑے بڑے فیصلے لیے جاتے تھے۔

کچھ دیر بعد وہ ہمیشہ کی طرح اپنی ڈائری کھولے دل کا حال لکھ رہی تھی۔

اور میں جانتی ہوں کہ کامیابی کا اصل مقصد صرف منزل تک پہنچنا نہیں۔۔۔ بلکہ اس رستے میں خود کو کیسے بچایا یہ بھی ہے۔۔۔(ونسٹن چرچل)

گزشتہ ایک ماہ سے وہب بھاگ دوڑ میں لگا ہوا تھا۔

وہ ہر اس جگہ اور ہر اس شخص سے ملا جس سے اسے ذرا بھی امید تھی کہ وہ اس سازش کو بے نقاب کرنے میں مدد کرے گا۔

لیکن ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے ہر چیز مٹھی میں بند ریت کی طرح پھسلتی جا رہی تھی۔

مراد کیانی بھی اپنا جتنا اثرورسوخ استعمال کر سکتے تھے، کر رہے تھے۔

لیکن نتیجہ صفر تھا۔

انہیں مکمل یقین تھا کہ ایک منظم قتل کی سازش تھی اور وجہ شاید اسفند کا پیشہ اور اس کا کام تھا۔

اسفند کیانی ملک کا مشہور اینکر پرسن اور کرائم رپورٹر تھا۔

اور اکثر ہی بڑے بڑے اسکینڈلز بے نقاب کیا کرتا تھا۔

مراد اکثر اسے سمجھاتے تھے کہ وہ کبھی کبھی حد سے آگے گزر جاتا ہے۔

لیکن اس کے اندر حقائق سامنے لانے کا جیسے بھوت سوار تھا۔

بے خوفی اور بہادری تو یوں بھی اسے وراثت میں ملی تھی۔۔

اور کچھ پیشے کا جنون بلآخر اسے موت کے منہ میں دھکیل گیا جس کا خدشہ ہمیشہ ہی مراد کیانی کو رہا تھا۔

بنا کسی ثبوت کے وہب کچھ نہیں کر سکتا تھا۔۔ گزشتہ ہفتے وہ صوبے کے آئی جی سے بھی مل کر آیا تھا۔

طلعت نے یہ نشست اپنے گھر کے ڈرائنگ روم میں رکھوائی تھی۔

لیکن اس ملاقات سے بھی وہ مطمئن نہیں ہو پایا تھا۔ اسے جیسے سب کچھ بناوٹی بناوٹی لگ رہا تھا۔

گو آئی جی نے اسے یقین دہانی کروائی تھی کہ وہ جلد ہی اس کیس کو اس کے منطقی انجام تک پہنچائے گا لیکن وہب جانتا تھا وہ بس طفل تسلیاں تھیں۔

وہ یہاں کے سیاست کے اسرار ورموز سے واقف نہیں تھا لیکن پھر بھی اندازہ ہو رہا تھا کہ یہاں انصاف ملنا ناممکن ہوتا ہے۔

اور جب وہ لوگ جو اتنے بڑے عہدوں پر فائز تھے وہ اپنے لیے انصاف حاصل نہیں کر سکتے تھے تو بیچارہ غریب کیا توقع رکھتا۔

اس وقت بھی وہ خاموشی سے اسفند کے کمرے میں بیٹھا کسی گہری سوچ میں ڈوبا تھا جب دروازے پر ہلکی سی آہٹ ہوئی۔

اس نے چونک کر گردن اٹھائی تو سامنے اسفند کی بیوہ کو کھڑا پایا۔۔

یہ تھی۔۔

پروفیسر ڈاکٹر سنایہ کیانی!

قائد اعظم یونیورسٹی (QAU) میں نفسیات کی پروفیسر۔۔

سیاہ جوڑے پر سر کے گرد سیاہ ہی چادر لپیٹے وہ بہت مضمحل دکھائی دیتی تھی۔

آنکھوں کے گرد گہرے حلقے پڑے تھے۔

رنگت میں ایکدم زردی گھلی ہوئی تھی۔

وہ عنابی ہونٹ جو کبھی ہر دم مسکراتے تھے۔۔ آج سوکھ کر بے رونق دکھائی دے رہے تھے۔

وہب کا اس سے پہلی بار سامنا ہو رہا تھا۔

"السلام علیکم۔۔۔ کیسی ہیں؟"

وہ ایکدم ہی بستر چھوڑتا اٹھ کھڑا ہوا۔

جبکہ سنایہ اس کی شکل دیکھتے ہی رخ پھیر گئی تھی۔

سر پر پہنی چادر کو اس نے مزید کھسکا کر ماتھے پر کھینچ لیا تھا۔

اور اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتا وہ تیز تیز قدم اٹھاتی وہاں سے چلی گئی۔

"انہیں کیا ہوا؟ کیا یہ اب تک مجھ سے ناراض ہیں؟"

وہ زیر لب بڑبڑایا۔

"بھیا۔۔۔ سنایہ بھابھی یہاں نہیں ہیں؟"

تب ہی بیس اکیس برس کے لگ بھگ لڑکی نے کمرے میں جھانکا۔

یہ تھی اسریٰ کیانی۔۔

مراد کیانی اور طیبہ کیانی کی سب سے چھوٹی بیٹی۔

این سی اے میں فائن آرٹس کی طالبعلم۔۔

وہ لاہور میں ہاسٹل میں ہی رہتی تھی۔ فی الحال چھٹیوں پر اسلام آباد آئی ہوئی تھی۔

"وہ ادھر آئی تو تھیں لیکن شاید مجھے دیکھ کر چلی گئیں۔"

وہ اب بھی تھوڑا شرمندہ دکھائی دیتا تھا۔

"اچھا۔۔ میں دیکھتی ہوں۔۔ شاید اوپر ہوں گی۔"

اسرٰی جانے کے لئے پلٹ گئی۔

"اچھا اسرٰی سنو۔۔"

اس سے پہلے کہ وہ دروازہ بند کرتی وہب جلدی سے آگے آیا۔

"میں یہاں سے جا رہا ہوں۔۔ ان سے کہہ دینا کہ وہ ادھر آ جائیں۔"

نکلتے نکلتے وہ دوبارہ پلٹا۔

"ویسے کیا وہ اسی کمرے میں ہی رہتی ہیں؟"

"نہیں بھیا۔۔۔ اسفی بھیا اور سانی بھابھی تو اوپر والے کمرے میں رہتے تھے۔

یہ کمرہ تو اسفی بھیا بس آفس کے طور پر ہی استعمال کرتے تھے۔"

اسرٰی کا لہجہ ایکدم افسردہ ہوا تھا۔

"شاید بھابھی، اسفی بھیا کو مس کر رہی تھیں تو تھوڑا وقت یہاں گزارنا چاہتی تھیں۔۔"

وہب نے دکھ سے آنکھیں میچیں۔

"تم انہیں بلا لو۔"

اسرٰی کے سر پر ہاتھ رکھتے وہ باہر نکل گیا۔

چھ ماہ بعد۔

صبح کی دھوپ مدھم پڑنا شروع ہو چکی تھی۔

قصر کیانی میں چھائی خاموشی پرندوں کی چہکار سے آہستہ آہستہ ٹوٹنے لگی تھی۔

مرکزی ہال میں اس وقت دو خواتین بیٹھی دھیمے لہجے اور آواز میں گفتگو کر رہی تھیں۔

"السلام علیکم۔"

اچانک ہال میں گونجنے والی آواز پر بیک وقت دونوں نے گردن گھمائی۔

دروازے پر طیبہ کیانی کھڑی تھیں۔ چہرے پر دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔

اپنے مخصوص انداز میں چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی وہ صوفوں کی جانب بڑھیں۔

"وعلیکم السلام بی بی۔"

دونوں نے ہی آگے پیچھے جواب دے کر مسکراہٹ کا تبادلہ کیا۔

"ہمیں مہرماہ پسند آئی ہے۔"

نشست سنبھالتے وہ ایک بار پھر مسکرائیں۔ سامنے بیٹھی خواتین کے چہروں پر بھی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔

"آپ ہماری پسندیدگی ان تحائف، میوے اور پھلوں کے ساتھ ان لوگوں تک پہنچا دیجیے گا۔۔"

اپنے دائیں جانب رکھے سرخ خوان پوش سے ڈھکے بڑے بڑے تھالوں کی جانب انہوں نے اشارہ کیا۔

"اور یہ آپ لوگوں کا تحفہ۔"

دو سفید منہ بند لفافے ان کی جانب بڑھاتے وہ نشست چھوڑتی کھڑی ہو گئیں۔

"ہمیشہ خوش رہیں بی بی۔۔ اپنی اولاد کا سکھ دیکھیں۔"

وہ دونوں بھی خوشی خوشی دعائیں دیتیں کھڑی ہو گئیں۔

"لعل دین گاڑی میں سامان رکھواؤ۔"

طیبہ کی آواز پر ایک ملازم دوڑا ہوا ہال میں داخل ہوا۔

لیکن اس سے پہلے کہ وہ سامان اٹھاتا۔

سنایہ کیانی اپنے سات سالہ بیٹے حرم کیانی کے ہمراہ ہال میں داخل ہوتی دکھائی دی۔

مراد کیانی کے پرزور اصرار پر وہ یہاں ویک اینڈ گزارنے آئی تھی۔

"ٹھہر جاؤ لعل دین! سامان آج نہیں جائے گا۔

میں نہیں چاہتی میرے بیٹے کی خوشیوں پر منحوسیت کا سایہ پڑے۔"

طیبہ نے ہاتھ اٹھا کر لعل دین کو رکنے کا اشارہ کیا۔

کچھ دیر پہلے وہ جتنی شائستہ دکھ رہی تھیں۔ اس لمحے بولیں تو اندر کا سارا زہر جیسے باہر نکل آیا۔

"آپ لوگ آج جائیے۔ میں بعد میں سامان بھجواؤں گی۔"

خواتین کچھ کہے بنا گردن جھکاتی آگے بڑھ گئیں۔

جبکہ حرم کے ننھے ہاتھ پر سنایہ کی گرفت مزید مضبوط ہوئی تھی۔

اس کا دل یہ سوچ کر ڈوبا تھا کہ اس ننھے سے ذہن نے نہ جانے اس بات سے کیا مطلب اخذ کیا ہو گا۔

وہ ساکن سانس سے طیبہ کے چہرے کو دیکھے گئی۔

"اماں! یہ کیا طریقہ ہے۔۔ آپ کس طرح کی زبان استعمال کر رہی ہیں؟"

وہب کی آواز پر دونوں چونکیں۔

وہ نہ جانے کہاں سے اس وقت ادھر آ نکلا تھا۔

"وہب تم بیچ میں مت پڑو۔"

طیبہ نے انگلی اٹھائی۔ لہجے میں تنبیہ تھی۔

"کیوں؟ کیوں نہ پڑوں میں بیچ میں اماں؟ میں اپنے گھر کے معاملات جاننا چاہتا ہوں۔۔ کیوں آپ نے انہیں؟"

لیکن اس سے پہلے کہ وہب کی بات پوری ہوتی۔ پتھر بنی سنایہ کے وجود میں جنبش ہوئی۔

وہ تیزی سے اپنی کچلی ہوئی عزت نفس کو سنبھالتی آگے بڑھ گئی۔

لفظ منحوس کا دوبارہ استعمال وہ اپنے بیٹے کے سامنے ہوتا نہیں دیکھ سکتی تھی۔

"وہب وہ بیوہ ہے۔ تمہاری نئی شروع ہونے والی زندگی پر اس کا پہلے ہی دن سایہ پڑگیا تو خدانخواستہ۔۔۔"

"بس اماں بس کر دیں۔۔ بس!"

وہب کی آواز میں تاسف تھا۔

کچھ دیر دونوں کی بحث ہوتی رہی۔

جبکہ سیڑھیاں چڑھتی سنایہ ان کی سوچ اور الفاظ پر اب تک کانپ رہی تھی۔

طیبہ سے بات کرنے کے بعد سے وہب بہت پریشان تھا۔

آٹھ سال پہلے ہوئی اس آخری گفتگو کے بعد اس کی سنایہ سے کبھی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔

اور اب جب وہ پچھلے چھ ماہ سے یہاں تھا تو بھی ان دونوں کے مابین فقط سلام دعا کے سوا کوئی بات نہیں ہوتی تھی۔

کچھ وہ اپنی گزشتہ بات پر پشیمان تھا تو کچھ سنایہ اس سے خود بھی بات کرنے سے گریز کرتی تھی۔

اور یوں بھی عدت پوری کرنے کے بعد وہ قصر کیانی چھوڑ گئی تھی۔

اسے یونیورسٹی کی طرف سے کیمپس کے قریب رہائش الاٹ ہوئی تھی۔۔ جہاں وہ حرم کے ساتھ رہائش پذیر تھی۔

مراد کیانی کے لاکھ اصرار کے باوجود قصر کیانی میں رہنے پر رضامند نہیں تھی۔

پچھلے چار گھنٹوں سے وہب فقط اسی نکتے پر سوچ سوچ کر پاگل ہو رہا تھا۔

اسے سنایہ سے بات کرنی تھی۔

لیکن حرم کے سامنے یہ ممکن نہیں تھا۔

وہ ایک بار پھر سنایہ کو اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا تھا۔

آج سے پہلے اسے یہ سوچ کر شرم آتی تھی کہ سنایہ اس کے بارے میں کیا سوچے گی کہ وہ اپنے بھائی کی بیوہ پر نظر رکھ کر بیٹھا تھا۔

لیکن آج۔۔۔ آج جو کچھ ہوا تھا اس کے بعد اس نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ وہ سنایہ سے نکاح کر لے گا۔

ذہن میں تانے بانے بنتا وہ اسرٰی کے کمرے کی جانب بڑھا۔

وہب کو اسے اپنے ساتھ ملا کر کچھ دیر کے لیے سنایہ کو لان میں بلانا تھا۔

اور اس بات کو یقینی بنانا تھا کہ حرم کیانی اس کے ساتھ موجود نہ ہو۔

اور بلآخر کچھ دیر بعد اسرٰی نے اسے مشن مکمل ہونے کی نوید دی۔

وہ سنایہ کو لان میں بڑی مشکل سے لانے میں کامیاب ہوئی تھی اور اب حرم کو اپنے ساتھ لیے وہب کے پاس آئی تھی۔

"شکریہ اسرٰی۔"

وہ دھیمے سے مسکرایا۔

کچھ لمحوں بعد وہ دھڑکتے دل سے لان کے عقبی حصے کی جانب بڑھ رہا تھا۔

اسے آج بھی وہ آٹھ سال پرانی گفتگو اور اس کے بعد پڑنے والا تھپڑ اچھی طرح یاد تھا۔

سنایہ کیانی نے اسے اس دن جس بری طرح رگیدا تھا وہ منظر آنکھوں کے سامنے لہرایا تو وہ جھرجھری لے کر رہ گیا۔

لان میں داخل ہوتے ہی اس کی نظر دور کھڑی سنایہ پر گئی جو رخ پھیرے کھڑی تھی۔

اس کا وجود اسی کالی چادر میں لپٹا تھا جسے وہ اسے اکثر ہی اوڑھے دیکھتا تھا۔

"آپ سے کچھ بات کرنی تھی۔"

سنایہ جو دونوں ہاتھ بازو پر باندھے آسمان تکنے میں مصروف تھی۔۔ اس کی آواز پر چونک کر پلٹی۔

خود سے کچھ فاصلے پیچھے کھڑے وہب کو دیکھ کر وہ ایک پل کے لیے حیران رہ گئی۔

"مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی۔"

اگلے ہی پل ایک کاٹ دار نظر اس پر ڈالتی وہ کنارے سے ہو کر نکلنے لگی۔

"پلیز!!!"

وہب کے لہجے میں التجا تھی۔

سنایہ کے قدم ٹھٹھک کر رکے۔

"تم نے سنا نہیں بیوہ عورت منحوس ہوتی ہے۔ چلے جاؤ یہاں سے۔"

اس کا لہجہ استہزا لئے ہوا تھا۔

"میں تمہاری نئی شروع ہونے والی زندگی میں منحوسیت کا سایہ نہیں پڑنے دینا چاہتی وہب کیانی۔"

وہب نے یاسیت سے اس کے ٹوٹے بکھرے وجود کو دیکھا۔

وہ آٹھ سال قبل والی سنایہ سے کتنی مختلف دکھائی دینے لگی تھی۔

"پہلی بات میں ان توہم پرستیوں کو نہیں مانتا۔"

اس کی آواز سنجیدہ تھی۔

"دوسری بات آج رات تک آپ بیوہ نہیں رہیں گی۔

وہب کیانی کی بیوی بننے کے لیے تیار رہیئے گا۔ عشاء کے بعد ہمارا نکاح ہے۔"

سنایہ کا رد عمل دیکھنے سے پہلے ہی وہ جانے کے لئے پلٹ گیا۔

"وہب!"

سنایہ کی تیز آواز نے اس کے بڑھتے قدم روکے۔

"تمہیں ذرا شرم نہیں آئی وہب کیانی یہ سب کہنے میں۔"

وہ چند قدم کا فاصلہ طے کرتی اس کے سامنے آئی۔ غصے اور بے یقینی کی شدت نے اس کا چہرہ سرخ کر دیا تھا۔

"میں تمہارے بھائی کی بیوی تھی اور تم مجھ سے۔۔"

"آپ نے خود کہا "تھی۔"

اس کی آواز دھیمی تھی۔

"نہ اب میرا بھائی اس دنیا میں ہے اور نہ آپ اس کی بیوی۔"

اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

"شرعی لحاظ سے اس میں کوئی قباحت نہیں کہ میں آپ سے شاد۔۔۔"

"تم۔۔ تم نے اگر یہ بات دوبارہ اپنے منہ سے نکالی نا وہب۔۔"

اس نے بیچ سے ہی وہب کی بات کاٹ دی۔

"تو سوچ لینا میں ایسا غائب ہوں گی کہ تم لوگ اپنے بھتیجے کو دیکھنے کے لیے بھی ترس جاؤ گے۔"

انداز دھمکی آمیز تھا۔

وہب جانتا تھا اسے منانا آسان نہیں ہو گا۔

اسی لیے وہ سارے انتظامات کے ساتھ آیا تھا۔

"کیا آپ جانتی ہیں۔۔ حرم کیانی اس وقت کہاں ہے؟"

سنایہ کو لگا وہ اپنے پیروں پر کھڑی نہیں رہ پائے گی۔ پہلی بار اس کی آنکھوں میں خوف پھیلا تھا۔

"وہب۔۔ میرا بیٹا کہاں ہے؟ مجھے فوراً بتاؤ۔"

اب کی بار وہ کسی چیل کی طرح اس پر جھپٹی تھی۔

وہب کا گریبان اس کی مٹھی میں تھا۔ اس لمحے اس کے چہرے سے وحشت ٹپک رہی تھی۔

"آپ کا بیٹا رات ہمارے نکاح میں شرکت کرے گا۔

اگر مجھے یقین ہوتا کہ آپ میری بات آسانی سے مان جائیں گی تو میں۔"

اور اس سے پہلے کہ مزید وہ کچھ کہتا ایک زوردار تھپڑ نے اس کے مزاج پوچھے تھے۔

"تمہارا بھتیجا ہے وہ۔"

وہ حلق کے بل چلائی۔

"تمہارے مرے ہوئے بھائی کی اولاد۔

تم سب انسانیت سے اتنا گر جاؤ گے میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔"

اس کا گریبان چھوڑتی وہ چند قدم پیچھے ہٹی۔ اس کا تنفس پھولنے لگا تھا۔

وہب نے شرمندگی سے سر جھکاتے لب کاٹے۔

"دعا کریں رات تک اس گھر میں سفید کفن میں لپٹا میرا جنازہ آئے ورنہ۔۔"

اس نے نگاہیں اٹھائیں۔ ان میں ندامت اور بے بسی تھی۔

"آپ سرخ جوڑے میں مجھے تیار ملیں۔"

وہ جانے کے لیے پلٹ گیا۔

"ایسا ہرگز نہیں ہو گا۔"

وہ تیزی سے اندر کی طرف لپکی۔

اسے حرم کو لے کر فوراً یہاں سے نکلنا تھا۔ لیکن حرم کا اندر نام و نشان تک نہ تھا۔

نہ جانے وہب نے اسے کہاں بھیج دیا تھا۔

کتنی دیر وہ کمرہ بند کرکے روتی رہی۔

ماضی کی کرچیاں آنکھوں میں بے دردی سے چبھنے لگی تھیں۔

آٹھ سال قبل۔

قصر کیانی کے باورچی خانے میں اس وقت کھانے کی خوشبوئیں چکراتی پھر رہی تھیں۔

برتنوں کی کھٹ پٹ کے ساتھ دھیمی آواز میں باتوں کی آواز بھی سرگوشی کی طرح گھر کے در و دیوار سے ٹکرا رہی تھی۔

صدیقہ بوا جو پچھلے بیس سالوں سے یہاں کے امور سنبھال رہی تھیں، تیزی سے کام میں مصروف دکھائی دیتی تھیں۔

"ارے واہ بوا۔۔ آج تو بڑے مزے کی خوشبوئیں سارے گھر میں پھیلی ہوئی ہیں۔" سنایہ کی چہکتی آواز سنائی دی۔

"خیر تو ہے۔ کون آ رہا ہے؟"

بریانی کو دم لگاتے صدیقہ بوا پلٹ کر مسکرائیں۔

سنایہ ابھی کالج سے واپس آئی تھی اور گھر بھر میں چکراتی مزے دار کھانوں کی خوشبو اسے سیدھا کچن تک لے آئی تھی۔

کہنے کو صدیقہ بوا ان کے یہاں ملازمہ تھی لیکن سنایہ کے لیے وہ ماں کا درجہ رکھتی تھیں۔

سالوں پہلے بازغہ کیانی کی موت کے بعد صدیقہ بوا نے ہی اسے پالا تھا۔

"وہب صاحب آئے ہیں۔"

بوا نے مسکراتے ہوئے چولہے کی آنچ دھیمی کی۔

"وہب؟ کب؟ بنا بتائے آ گیا؟"

پسندے کی پتیلی کا ڈھکن تھامے اس کے ہاتھ ساکت ہوئے۔

"جی وہ صبح اچانک ہی آ گئے۔"

"اچھا۔"

سنایہ اب تک حیران تھی۔

رات ہی تو اس کی وہب سے بات ہوئی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا کہ بہت مصروف تھا تو پھر اچانک؟

"السلام علیکم۔"

اس سے پہلے وہ مزید کچھ کہتی جب عقب سے آتی بھاری مردانہ آواز نے اس کی توجہ اپنی جانب کھینچی۔

"وعلیکم السلام۔ تم اتنی جلدی سیٹل سے یہاں کیسے؟"

وہ اسے سامنے دیکھ کر بھی بے یقین تھی۔

"رات تو تم اپنے اپارٹمنٹ میں تھے نا؟"

سامنے کھڑا چوبیس سالہ لڑکا دھیمے سے مسکرایا۔

"میں نے ایسا کب کہا تھا پروفیسر صاحبہ؟"

اس نے لاپرواہی سے کندھے اچکائے۔

"آپ نے خود ہی اخذ کیا تھا کہ میں اپارٹمنٹ میں ہوں۔

ورنہ میں تو اس وقت دبئی ائیرپورٹ پر بیٹھا اپنی اگلی فلائٹ کا انتظار کر رہا تھا۔"

"وہب کیانی کتنی بار کہوں میں لیکچرار ہوں۔۔ پروفیسر نہیں"!

وہ ایک بار پھر اس کے طرز تخاطب پر جھلائی تھی۔

"بلکہ تم مجھے باقی بچوں کی طرح سیدھے سے آپی کیوں نہیں بلاتے ہو؟ پورے چار سال بڑی ہوں تم سے۔"

اس نے چار انگلیاں کھولیں۔

وہب نے بمشکل اپنی مسکراہٹ دبائی۔

پانچ فٹ تین انچ کی یہ لڑکی اسے اپنے بچپن سے ہی عزیز تھی۔

اس کی کالی گہری آنکھوں میں روشن دیئے وہب کو ہمیشہ مسحور کر دیتے تھے۔

عنابی ہونٹ تیزی سے چلتے تو آس پاس موجود ہر شخص کو اپنی جانب متوجہ کر لیتے تھے۔

وہ لگ بھگ اٹھائیس برس کی تھی لیکن بیس بائیس برس سے زیادہ کی نہیں دکھتی تھی۔

خاندان کے سارے بچے ہی اسے آپی پکارتے تھے لیکن وہب نے اسے کبھی بھی آپی نہیں بلایا تھا۔

بچپن سے ہی وہ اس سے بس آپ جناب سے بات کرتا تھا۔

اور اب تو پچھلے تین سالوں سے جب سے وہ کالج میں لیکچرار لگی تھی۔

وہ اسے مسلسل پروفیسر صاحبہ بلاتا تھا۔

اور سنایہ کیانی کو یہ بات بالکل نہیں پسند تھی۔

"عمر میں کیا رکھا ہے پروفیسر صاحبہ اور ویسے بھی اب تو دکھنے میں آپ سے تین چار سال بڑا ہی دکھائی دیتا ہوں۔۔"

کاؤنٹر پر رکھی باسکٹ سے سیب نکال کر ہوا میں اچھالتے وہ مسکرایا۔

اس کے جواب پرسنایہ کے چہرے پر سرخی دوڑی تھی۔

"ارے وہب تم یہاں بیٹھے ہو۔ میں تمہارے کمرے میں تمہیں اٹھانے گئی تھی۔"

اس سے پہلے کہ سنایہ اسے کوئی جواب دیتی پیچھے سے طیبہ آتی دکھائی دیں۔

"جی اماں بس نیند ہی نہیں آئی۔۔ سو میں نیچے آ گیا۔"

اس نے ہاتھ میں تھاما سیب واپس باسکٹ میں رکھا۔

اور کاؤنٹر کے سامنے رکھے اسٹول پر براجمان ہو گیا۔

چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی جبکہ نگاہیں سنایہ سے ہوتیں طیبہ کی جانب مڑگئی تھیں جو کچن میں داخل ہو چکی تھیں۔

انہیں دیکھ کر اگلے ہی پل سنایہ کچن سے نکل گئی۔

وہب نے ایک نظر ماں پر اور دوسری سنایہ کی پشت پر ڈالی۔

اسے کچھ عجیب محسوس ہوا تھا۔

"صدیقہ کھانا تیار ہے؟ بڑے صاحب آتے ہوں گے۔"

جبکہ طیبہ بھی ایک گہری نظر سنایہ پر ڈالتے صدیقہ بوا کی جانب پلٹ چکی تھیں۔

"جی بیٹا۔۔۔ سب چیز تیار ہے۔ میں نے غلام حسین سے برتن لگانے کا کہہ دیا ہے۔"

صدیقہ بوا کے ہاتھوں میں تیزی آ گئی۔

طیبہ اب وہب سے باتوں میں مگن تھیں جو نہ جانے کیوں اچانک ہی اکتایا ہوا لگ رہا تھا۔۔

کچھ دیر بعد ڈائننگ ہال میں بچھی لمبی سی میز پر گھر کے تمام افراد براجمان تھے۔

عموماً دوپہر کے کھانے پر گھر کے مرد موجود نہیں ہوتے تھے۔

لیکن آج وہب کی آمد کی وجہ سے طیبہ نے مراد اور اسفند کو کال کر کے گھر بلا لیا تھا۔

اور یہ بھی انوکھی ہی بات تھی کہ وہ دونوں فارغ تھے ورنہ اپنی اپنی مصروفیات میں دونوں باپ بیٹا کے پاس فرصت نہیں ہوتی تھی۔

اس وقت تینوں باپ بیٹا باتوں میں مشغول تھے۔۔ جبکہ طیبہ اسرٰی کی پلیٹ میں کھانا نکال رہی تھیں جو ہمیشہ ہی کھانے کے معاملے میں انہیں ستاتی تھی۔

کچھ دور ہی سنایہ بھی اپنی پلیٹ پر جھکی بے دلی سے چمچہ چلا رہی تھی۔

نہ جانے کیسے وہ بھی آج میز پر موجود تھی۔ ورنہ عموماً وہ دوپہر کا کھانا کمرے میں ہی کھایا کرتی تھی۔

"سنایہ بیٹا آپ کچھ کھا نہیں رہیں۔ سب خیریت ہے؟ کالج وغیرہ ٹھیک چل رہا ہے؟"

سنایہ کی بے دلی کو مراد کیانی نے بخوبی محسوس کیا تھا۔

"جی تایا جان۔۔ سب سیٹ ہے۔"

ہاتھ میں پکڑے چمچے کو پلیٹ میں رکھتی وہ زبردستی مسکرائی۔

وہب کی نگاہیں بے ساختہ ہی اس کی جانب اٹھی تھیں۔

"وہب تم کتنے دنوں کے لیے آئے ہو؟"

تب ہی اسفند نے اسے مخاطب کیا۔

"بھیا میں تو بس ایک چھوٹے سے کام سے ادھر آیا تھا۔"

ایک چور نظر اٹھا کر سنایہ کی جانب دیکھا۔

"جلد ہی کام نپٹا کر چلا جاؤں گا۔"

سب کو اپنی جانب متوجہ پا کر وہ پلیٹ پر جھک گیا۔

"لیکن وہب تم نے وعدہ کیا تھا کہ پڑھائی کے بعد پاکستان واپس آ جاؤ گے۔"

اتنی دیر میں پہلی بار طیبہ کچھ بولی تھیں۔

ان کے لہجے میں خفگی نمایاں تھی۔

"جی اماں بالکل مجھے اپنا وعدہ یاد ہے۔" وہب نے گہرا سانس لیا۔

"لیکن بات یہ ہے کہ چار سال وہاں گزارنے کے بعد اب مجھے لگتا ہے کہ پاکستان میں رہنا میرے بس میں نہیں ہے۔"

لہجے میں بیچارگی تھی۔

"میں آپ کو اپنے ساتھ سئیٹل لے جاؤں گا نا۔"

"واہ بیٹا بہت خوب۔ میری بیوی تم لے جاؤ گے تو میں یہاں کیا کروں گا۔"

اب کی بار جواب مراد کیانی کی جانب سے آیا تھا۔

"بابا آپ بھی وہیں چلیں نا۔ چھوڑیں یہ بے کار کی پولیٹیکس۔۔"

وہ جوش سے ان کی جانب پلٹا۔

"بلکہ میں کہتا ہوں ہم سب وہیں موو ہو جاتے ہیں۔۔"

مراد کیانی اس کی بات پر گردن جھٹکتے ہنس دیئے۔

"بھیا۔۔۔ بلکہ آپ کے لیے تو میں نے وہاں ایک لڑکی بھی پسند کر لی ہے۔"

اسفند چونکا۔

سنایہ کے چہرے پر بھی ایک رنگ آ کر گزرا تھا۔

"میرے پڑوس میں ہی ہوتی ہے۔"

"برخوردار اب مجھے سمجھ آ رہا ہے کہ سئیٹل میں دل لگنے کی وجہ کیا ہے؟"

مراد کے جملے پر وہ ایکدم گڑبڑایا۔

"نہیں-- نہیں--- قسم لے لیں اماں بابا۔

میں تو بس پاکستانی لڑکی سے ہی شادی کروں گا۔"

ایک بار پھر اس کی نگاہیں غیر ارادی طور پر سنایہ کی جانب اٹھیں۔

"بھیا نے اتنی عمر گزار دی اور شادی ہی نہیں کرتے تو--"

سنایہ کرسی دھکیلتے کھڑی ہوئی۔

سب کی نظریں ہی بے ساختہ اس کی جانب اٹھی تھیں۔

"تایا جان-- مجھے آپ سے اکیلے میں کچھ بات کرنی تھی۔"

اس کی آواز سنجیدہ تھی۔

"جب آپ فری ہوں تو مجھے بتا دیجیے گا۔"

وہ جانے کے لئے پلٹ گئی۔

اب طیبہ کو سمجھ آیا تھا کہ وہ کھانے پر تکلفاً بیٹھی تھی۔

یقیناً یہی وہ پیغام تھا جسے دینے وہ نیچے اتری تھی۔

"بیٹا آپ آدھے گھنٹے تک میرے آفس میں آجائیے گا۔"

پیچھے سے مراد کی آواز آئی تو وہ سر ہلاتے سیڑھیاں چڑھ گئی۔

پیچھے ایک بار پھر باتوں کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔

اسٹڈی روم کی کھڑکیوں پر ڈالے گئے ہلکے بھورے پردے آدھے سرکے ہوئے تھے۔

روشنی دھاریوں کی صورت کمرے میں پھیلی تھی۔

دائیں جانب بنے شیلف کے سامنے کھڑی سنایہ کچھ ڈھونڈنے میں مصروف دکھائی دیتی تھی۔

تب ہی پیچھے قدموں کی آہٹ ہوئی۔

اس نے پلٹ کر دیکھا۔

آنے والا اسفند تھا۔ سنایہ کی گرفت کتاب پر مضبوط ہوئی تھی۔

کچھ لمحے شش و پنج میں کھڑے رہنے کے بعد وہ جانے کے لیے پلٹنے لگی۔

"کب تک بھاگتی رہو گی؟"

اسفند اس کے عین پیچھے آ کھڑا ہوا تھا۔

دونوں کے درمیان ایک شیلف کا فاصلہ تھا۔

سنایہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

اس نے باہر جانے کے لیے چند قدم مزید آگے بڑھائے۔

"سنایہ مجھے جواب دو۔"

اس کی آواز تیز ہوئی۔

"مجھے آپ سے شادی نہیں کرنی۔ یہی سوال تھا نا آپ کا؟"

بالاخر اس نے چھپن چھپائی کے اس کھیل کو ختم کیا جو نہ جانے کتنے دنوں سے دونوں کے بیچ چل رہا تھا۔

"لیکن مجھے بتاؤ تو آخر کیا ہوا ہے۔

تم کیوں اپنے کمٹمنٹ سے پیچھے ہٹی ہو؟" اسفند کے لہجے میں بے یقینی تھی۔

"تم نے مجھ سے وقت مانگا تھا۔ وہ میں نے تمہیں دیا۔"

وہ چند قدم چلتا اس کے نزدیک آیا۔

"اب کیا وجہ ہے یوں مجھ سے بے رخی برتنے کی؟"

"ہر بات کے پیچھے کوئی وجہ ہو یہ ضروری نہیں ہے اسفند کیانی۔"

سنایہ کی آواز دھیمی مگر درشت تھی۔

"وجہ بتائے بغیر تم مجھ سے کنارہ نہیں کر سکتیں۔۔"

سنایہ نے بغور اس کے چہرے کو دیکھا جہاں بے بسی اور جھنجھلاہٹ واضح تھی۔

"مجھے لگتا ہے کہ ہم دو مختلف مزاجوں کے لوگ ہیں۔ ہمارا ساتھ رہنا ممکن نہیں۔"

جواب دے کر وہ رخ پھیر گئی۔

"تو کیوں بابا سے۔۔۔"

اس سے پہلے اسفند کی بات مکمل ہوتی۔ دروازے پر آہٹ ہوئی۔

دونوں ایکدم چونکے تھے۔

اگلے ہی پل سنایہ نے تیزی سے باہر کی راہ لی۔

اسفند لب بھینچے اسے جاتا دیکھتا رہا۔

سنایہ کیانی اور التمش کیانی(مراد کیانی کا بڑا بیٹا) کی منگنی پانچ سال پہلے مراد کیانی کی خواہش پر ہوئی تھی۔

طیبہ کو اس وقت سنایہ سے کوئی خاص پرخاش نہیں تھی۔

لیکن منگنی کے چند ہفتوں بعد ہی ایک نجی پارٹی میں انعام چوہدری کے بیٹے الیاس چوہدری اور التمش کیانی کے درمیان کسی بات پر بحث چھڑ گئی۔

بحث اور گرما گرمی اتنی بڑھی کہ بات ہاتھا پائی تک پہنچ گئی۔

اور پھر گرم دماغ الیاس چوہدری نے التمش کے سر پر لوہے کی کرسی کھینچ کر مار دی۔

وار ایسا کاری تھا کہ التمش نے موقع پر ہی جان دے دی۔

یوں سنایہ کے خواب جو ابھی اپنے مستقبل کو لے کر بننے شروع ہوئے تھے وہ بنا پنپے ہی اپنی موت آپ مر گئے۔

اس کے بعد اس کے خاندان سے باہر سے کئی رشتے آئے۔۔ لیکن وہ اپنی شادی کا سب کو سختی سے منع کر کے پڑھائی میں مگن ہو گئی۔

دوسری جانب اسفند کے دل میں اس کے لئے تھوڑی ہمدردی تو تھوڑی پسند بھی جاگنے لگی تھی۔

اس نے سوچ لیا تھا کہ جب اس کی شادی کا ذکر چھڑے گا تو وہ سنایہ کا نام لے گا۔

لیکن جب اس نے طیبہ کے استفسار پر اپنی پسند سے انہیں آگاہ کیا تو وہ ہتھے سے اکھڑ گئیں۔

"میرا اچھا بھلا ہنستا بولتا بچہ وہ منحوس قدم عورت کھا گئی۔۔

اور تمہیں لگتا ہے کہ میں دوسرے پر اس کا سایہ بھی پڑنے دوں گی؟"

طیبہ کا یہ جواب اسفند کیانی کے لیے ناقابل یقین تھا۔

اس نے خود سنایہ سے بات کرنے کی ٹھانی۔

گر اسے اس معاملے میں اعتراض نہیں ہوتا تو وہ مراد کے ذریعے اس سے شادی کر لیتا۔

لیکن سنایہ اس کا مطالبہ سنتے ہی بپھر گئی۔

اس نے اسے صاف منع کر دیا کہ وہ زندگی میں اب کبھی شادی نہیں کرے گی۔

مگر اسفند جانتا تھا یہ کم عمری کا جذباتی فیصلہ تھا۔

اس نے مراد کیانی کی مدد لی۔۔

جنہوں نے سنایہ کو بمشکل اس بات پر راضی کیا کہ وہ اسفند سے شادی کر لے۔

وہ اس شرط پر مان گئی کہ اسفند اسے پڑھائی مکمل کر کے جاب کرنے دے گا۔

وہ پانچ سال سے پہلے شادی نہیں کرے گی۔

اس کا خواب یونیورسٹی میں پروفیسر بننے کا تھا۔ جس کی منازل وہ آہستہ آہستہ طے کرتی آگے بڑھ رہی تھی۔

اسفند کو اس کی کسی شرط پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔

اور اب جب وہ کالج میں لیکچرار لگ چکی تھی۔ تو اسفند چاہتا تھا اب وہ دونوں شادی کر لیں۔

لیکن وہ یہ محسوس کر رہا تھا کہ پچھلے کچھ ماہ سے سنایہ اسے نظر انداز کر رہی تھی۔

موبائل پر تو اس نے کبھی اسفند سے رابطہ نہیں رکھا تھا۔

بس گھر میں چلتے پھرتے ہی دونوں کی بات ہو جایا کرتی تھی۔

ایسے میں اس کا بات کے لیے موقع نکالنا ناممکنات میں سے ہوتا تھا۔۔

جب اگلی جانب سے بھی بات کرنے میں کوئی دلچسپی نہ ہو۔

اسے ایک بار سنایہ سے کھل کر بات کرنی تھی اور تب مراد کیانی کے ساتھ مل کر طیبہ کو شادی کے لیے منانا تھا۔

لیکن سنایہ کیانی اسے فی الحال یہ موقع نہیں دے رہی تھی۔

وہ اس کی فون کالز بھی نہیں اٹھا رہی تھی اور نہ میسیجز کا جواب دے رہی تھی۔

آج اتفاقیہ وہ اسے اسٹڈی میں ملی تو اس کا جواب اسفند کو مزید الجھن کا شکار کر گیا۔

وہ اس کے انکار پر حیران ہونے کے ساتھ پریشان بھی تھا۔

دن میں اس نے مراد کیانی سے اپنے حصے کی بات کی تھی۔ وہ اپنا پی ایچ ڈی باہر کی کسی یونیورسٹی سے کرنا چاہتی تھی۔

اور اس کے لیے اسے سرمایہ درکار تھا۔

یہ بات مراد نے اسفند کے استفسار پر اسے بتائی تھی۔

اسفند کو یہ بس ایک راہ فرار لگا تھا۔

اسٹڈی میں کھڑے کھڑے ہی اس نے سنایہ کو کال ملانے کا ارادہ کیا۔

اسے آج اس سے کھل کر بات کرنی تھی۔

عین ممکن تھا کہ وہ اس کی کال نہ اٹھاتی لیکن بہرحال اسے کسی بھی طرح اس سے رابطہ کرنا تھا۔

لگاتار جانے والی تیسری بیل پر بلاخر اس نے فون اٹھا لیا۔

اسفند کو بہت حیرت ہوئی لیکن شکر بھیجتے اس نے گفتگو کا آغاز کیا۔

"دیکھو سنایہ فون مت کاٹنا۔۔۔ میری پوری بات توجہ۔۔"

"فون کاٹنا ہوتا اسفند صاحب تو میں اٹھاتی ہی نہیں۔ کہئیے کیا کہنا ہے؟"

اس کی آواز میں کچھ دیر پہلی والی سنجیدگی ہنوز برقرار تھی۔

"میں آپ کو آخری بار بولنے کا بھرپور موقع دینا چاہتی ہوں۔"

"جب میرے اور تمہارے درمیان ایک کمٹمنٹ ہوئی تھی کہ تمہارے پڑھائی اور جاب کے بعد ہم شادی کر لیں گے تو اب اپنی بات سے مکرنے کی صرف وجہ جاننا چاہتا ہوں۔"

کچھ دیر اگلی جانب ایکدم خاموشی چھائی رہی کہ اسفند کو گمان ہوا کہ شاید فون کاٹ دیا گیا ہے۔

"دیکھیں اسفند۔۔"

کچھ توقف کے بعد اس کی آواز اسپیکر پر ابھری۔

"اس وقت بھی میں نے تایا جان سے مشروط ہامی صرف وقتی فرار کے لیے بھری تھی۔"

اب کی بار اس کا لہجہ دھیما تھا۔

"میرا خیال تھا کہ آپ اتنا عرصہ انتظار نہیں کریں گے اور کہیں شادی کر لیں گے۔"

اسفند نے مسکراتے ہوئے گردن جھٹکی۔

وہ اس کا اگلے پانچ سال بھی انتظار کر سکتا تھا۔

"اگر آپ نے اب تک واقعی میرا انتظار کیا تو یہ فضول ہے۔ مجھے شادی کرنی ہی نہیں ہے۔ نہ آپ سے نہ کسی اور سے۔۔"

اسفند اتنے عرصے میں سنایہ کے بارے میں کچھ اور جان پایا تھا یا نہیں اتنا ضرور جانتا تھا کہ سنایہ جھوٹ بولنے میں کوری ہے۔

اوراس وقت جو وہ بول رہی تھی وہ سوائے بہانے کے کچھ نہ تھا۔

"ٹھیک ہے۔ مجھے بھی شادی نہیں کرنی۔"

اطمینان سے ایک گہرا سانس بھرتے اس نے سنایہ کا سکون غارت کیا تھا۔

"اگر زندگی میں کبھی تمہارا موڈ بنا تو بتا دینا میں بارات لے کر آ جاؤں گا۔"

"آپ میرے ساتھ یوں زبردستی نہیں کر سکتے۔"

وہ جھلائی تھی۔

"میرے نام پر کنوارے پھرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

یوں بھی آپ کی اماں آپ کے لیے لڑکی پسند۔۔۔"

بولتے بولتے اسے ایکدم اپنی حماقت کا احساس ہوا تھا۔

اور اس سے پہلے کہ اسفند کچھ پوچھتا یا کہتا وہ فون کاٹ کر موبائل آف کر چکی تھی۔

لیکن جو بھی تھا اسفند کو اپنی بات کا جواب مل چکا تھا۔

یقیناً طیبہ نے اس تک یہ بات پہنچائی تھی کہ وہ اسفند کے لیے لڑکی پسند کر چکی ہیں۔۔

اور اسی لیے وہ اس سے دور بھاگ رہی تھی۔

ایک گہرا سانس خارج کرتے اس نے موبائل جیب میں ڈالا اور اندر کی جانب قدم بڑھا لئے۔

اسے اب طیبہ سے جلد از جلد اس کے رشتے کی بات کرنی تھی۔

شام ڈھل چکی تھی۔ قصر کیانی کا پچھلا لان مدھم روشنیوں کے باعث نیم تاریک دکھائی دیتا تھا۔

لان کے ایک گوشے میں موجود کھجور کے درخت تلے وہب کیانی اور سنایہ کیانی آمنے سامنے کھڑے دکھائی دیتے تھے۔

"چٹاخ--"

تب ہی لان کی کشادہ فضا میں تھپڑ کی گونج ابھر کر معدوم ہوئی۔

"تمہاری ہمت بھی کیسے ہوئی مجھ سے ایسی بات کرنے کی۔"

اس کی آواز غصے کی شدت سے کانپ رہی تھی۔

"جانتے ہو کتنے چھوٹے ہو مجھ سے۔"

وہب نے سختی سے لب بھینچے۔

"میں نے تمہیں ہمیشہ بچہ سمجھا ہے-- اور تم-- تمہاری اتنی جرات۔"

اس کے آگے اس سے کچھ بولا ہی نہیں گیا۔

"میں نے آپ سے کوئی ناشائستہ بات نہیں کی ہے۔"

وہب نے نگاہیں اٹھائیں۔

"چار سال بڑا چھوٹا ہونے سے شادیاں نہیں---"

"Get lost from here!"

اس سے پہلے وہب کی بات مکمل ہوتی وہ حلق کے بل چلائی تھی۔

"اور جب تک پاکستان میں ہو مجھے اپنی شکل مت دکھانا۔"

"یہ تم کس انداز سے بات کر رہی ہو لڑکی۔"

نہ جانے طیبہ کیانی کہاں سے ادھر نکل آئی تھیں۔

"اپنی زبان کے یہ جوہر مجھ پر یا میرے بیٹوں پر چلانے کی کوشش ہرگز مت کرنا۔۔"

انہوں نے سنایہ کا بولا جانے والا آخری جملہ بخوبی سنا تھا۔

اس بات سے انجان کہ ان کا بیٹا جو کچھ تھوڑی دیر پہلے بول چکا ہے وہ ان کے لیے اس بات سے زیادہ ناگوار تھی جو سنایہ کیانی کی زبان سے وہ سن رہی تھیں۔

"آپ اپنے بیٹے سے میرے جانے کے بعد ایک بار ضرور پوچھیئے گا کہ وہ مجھ سے کیا کہنے آیا تھا۔"

ایک طنزیہ نظر وہب پر ڈالتی وہ اندر کی جانب بڑھ گئی۔

وہب کو لگا اس نے جاتے جاتے اس کے منہ پر ایک اور طمانچہ مار دیا ہو۔

"کیا کہا تھا تم نے؟"

طیبہ کی آواز میں کرختگی تھی۔

"اماں میں ان سے شادی۔۔"

"چٹاخ"!

اب کی بار پڑنے والے تھپڑ کی شدت پہلے والے سے کہیں زیادہ تھی۔

وہب کی آنکھوں میں بے پناہ تحیر امڈ آیا تھا۔۔

کیونکہ طیبہ کے چہرے پر ابھرتے نفرت کے رنگ وہ واضح محسوس کر سکتا تھا۔

"اماں آخر اس میں برائی ہی کیا ہے؟"

وہ ایکدم جھلایا۔

"تمہیں بھی ایک منحوس بڈھی ہی ملی تھی شادی کرنے کے لئے۔"

طیبہ کے لہجے سے نفرت ٹپک رہی تھی۔ وہب گنگ ہوا۔

"اب تو مجھے پورا یقین ہے کہ اس عورت نے میرے خاندان پر جادو کروایا ہے۔

ایک کو کھا گئی۔۔ باقی دو پر ڈورے ڈال رہی ہے کہ کوئی تو پھنس جائے گا۔"

انہوں نے حقارت سے اس سمت دیکھا جہاں سے سنایہ کچھ دیر پہلے اندر گئی تھی۔

"دونوں اس کے عشق میں اندھے ہو رہے ہیں۔"

اب کی بار وہب کی آنکھوں میں بے یقینی اتری تھی۔

وہ ساکت کھڑا اپنی ماں کو دیکھے گیا۔ جو اس کے دل کے حال سے بے خبر بولے جا رہی تھیں۔

"بڑے صاحب اپنے عشق میں عمر کے ماہ و سال گنوا رہے ہیں تو چھوٹے صاحب تو عمر کی قید وبند سے ہی آزاد ہیں۔"

ایک طنزیہ نظر انہوں نے وہب پر ڈالی۔

"کم از کم اپنی اور اس کی عمر کے فرق کو ہی دیکھ لیتے تم۔۔"

وہب کے پاس تو کچھ بولنے کو نہیں بچا تھا۔ اس کے وجود میں گویا دھماکے ہو رہے تھے۔

"باہر کوئی لڑکی پسند آتی ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

اب کی بار ان کا لہجہ دھیما ہوا تھا۔

"لیکن سنایہ کیانی میرے گھر کی بہو ہرگز نہیں بنے گی۔"

فیصلہ سناتیں وہ پلٹ گئیں۔

وہب بمشکل اپنے قدم گھسیٹتا اندر کی جانب بڑھا۔

اسے کیا معلوم تھا کہ اس کا بھائی اتنے سالوں سے سنایہ کی وجہ سے شادی نہیں کر رہا تھا۔

وہ بھی اسے پسند کرتا ہے۔

اور شاید سنایہ بھی؟

اس سوچ کے ساتھ ہی اسے کچھ دیر پہلے سنایہ سے کہے گئے اپنے الفاظ پر جی بھر کر افسوس ہوا تھا۔

کاش اس نے پہلے طیبہ سے بات کر لیتی ہوتی تو کم از کم سنایہ کے سامنے آئندہ شرمندہ نہ ہونا پڑتا۔

اب وہ کس منہ سے اس کا سامنا کرے گا یہ سوچ کر ہی وہ زمین میں گڑا جا رہا تھا۔

"آئی ایم سوری۔"

خیالوں میں اس کے سراپے سے مخاطب وہ دھیمی آواز میں بڑبڑایا۔

"میں اپنے بھائی کی خوشیوں کے بیچ ہرگز نہیں آؤں گا۔"

بے دردی سے آنکھیں رگڑتے اس نے الماری کھولی۔

وہ واپس سیٹل جا رہا تھا۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے!

اگلی صبح قصر کیانی پر کچھ خاص خوشگوار نہیں اتری تھی۔

وہب کیانی جس طرح کسی کو بنا بتائے آیا تھا ایسے ہی بنا بتائے وہ منہ اندھیرے یہاں سے واپس جا چکا تھا۔

اور وہ کیوں گیا تھا اس کا جواب سنایہ کیانی اور طیبہ کیانی کے سوا بھلا کون جان سکتا تھا؟

"طیبہ اس نے تم سے بھی کچھ نہیں کہا؟" مراد کے انداز میں حیرانی واضح تھی۔

"جیسے آپ ہر چیز سے لاعلم ہیں۔ میں بھی ہوں۔"

کپ میں چائے انڈیلتیں وہ عام سے لہجے میں بولیں۔

"باہر رہ کر اپنے کام اور مزید پڑھائی پر توجہ دینی چاہیئے۔"

مراد نے نا سمجھی سے انہیں دیکھا۔

ابھی دو دن پہلے تو وہ اسے واپس آنے کا کہہ رہی تھیں۔

"بلکہ میں نے تو کہہ دیا ہے کہ لڑکی بھی پسند کر لو ہم وہیں آ کر شرکت کر لیں گے۔"

اب کی بار اسفند نے ایک شکوہ کناں نگاہ ماں پر ڈالی۔۔

جو اسے تو اپنی مرضی کی لڑکی سے شادی کرنے نہیں دے رہی تھیں۔

اور وہب کو اتنی آزادی تھی کہ وہ کسی بھی لڑکی کو پسند کر لے۔

وہ کہاں جانتا تھا کہ انہوں نے وہب کیانی کے دل کے بھی اتنے ٹکڑے کئے تھے جتنے خود اسفند کیانی کے تھے۔

"شام میں آپ لوگ جلدی آ جائیے گا۔ میں نے مہوش کی شادی پر اسفند کے لیے ایک لڑکی پسند کی ہے۔"

چائے کا کپ مراد کے سامنے رکھتے انہوں نے موضوع بدلا۔

"آج ان لوگوں کو چائے پر بلایا ہے۔"

انداز اتنا سرسری تھا جیسے یہ بات کتنی معمولی ہو۔

"اماں آپ ایسے کیسے میری مرضی کے بنا میرا رشتہ طے سکتی ہیں؟"

اسفند کی آواز میں بھرپور احتجاج تھا۔

"ابھی رشتہ طے نہیں ہوا ہے اسفند۔"

ان کا لہجہ گہری سنجیدگی لئے ہوئے تھا۔

"البتہ مجھے لڑکی پسند ہے۔

پردے دار، حیا والی اور سب سے بڑھ کر گھریلو۔"

انہوں نے جیسے خاص کر کے اسے یہ بات سنائی تھی۔

"باقی تمہیں اگر نہیں سمجھ آتی تو میں نے ایک دو لڑکیاں اور نظر میں رکھی ہوئی ہیں۔"

وہ سارے فیصلے ازخود لے چکی تھیں۔

"طیبہ تمہیں پہلے کم از کم اسفند کی رضامندی لے لینی چاہئیے تھی۔"

مراد نے گلا کھنکھارتے انہیں دیکھا۔

وہ اسفند کے دل کے حال سے واقف تھے۔

"یوں انہیں گھر بلانا مناسب نہیں ہے۔

وہ تو یہی سمجھیں گے نا کہ ہماری طرف سے بات طے ہے۔"

اسفند نے ممنون نظروں سے باپ کو دیکھا۔

"بابا۔۔ آپ اماں کو بتا دیں کہ میں سنایہ کو پسند کرتا ہوں اور شادی بس اسی سے کروں گا۔"

مراد کیانی کی حمایت نے اسے مزید تسلی دی تھی۔

"اگر وہ نہیں مانتی ہے تو فی الحال میرا شادی کا کوئی ارادہ نہیں۔"

اس نے ایک ترچھی ناراض نظر ماں پر ڈالی۔ طیبہ کا چہرہ سرخ ہوا تھا۔

"ہاں تو اس میں مضائقہ کیا ہے۔

گھر کی بچی ہے۔ تم پہلے ہی بتا دیتے تو طیبہ بلاوجہ ادھر ادھر لڑکیاں۔۔"

"مجھے سنایہ نہیں پسند"!!!

اس سے پہلے مراد کی بات مکمل ہوتی۔۔

طیبہ نے صاف لفظوں میں اپنی ناپسندیدگی دونوں باپ بیٹا تک پہنچائی۔

"شادی مجھے کرنی ہے۔۔ اور مجھے سنایہ پسند ہے۔۔"

دو ٹوک لہجے میں پہنچائے گئے پیغام پر طیبہ بل کھا کر رہ گئیں۔

"مراد! آپ اسفی کو سمجھا لیں۔"

وہ بھی اس وقت بھرپور ضد پر اتری ہوئی تھیں۔

"شادی دو لوگوں کے درمیان نہیں ہوتی ہے۔ دو خاندان اس میں شامل ہوتے ہیں۔"

ان کا بس نہیں چل رہا تھا کیسے اسفند کا نکاح ابھی ہی کسی لڑکی سے پڑھوا دیں۔

"دیکھو طیبہ۔۔"

مراد نے گہرا سانس بھرا۔

"پاپا میرا آج مارننگ میں ایک ٹاک شو ہے۔ میں نکلتا ہوں۔"

اسفند میز چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہو گیا۔

اس کا ناشتہ ادھورا رہ گیا تھا۔

دونوں کی نگاہیں بے ساختہ اس کی جانب اٹھی تھیں۔

"اللہ حافظ۔"

مراد کی جانب دیکھتے وہ ڈائننگ روم سے نکل گیا۔

پیچھے ایک بار پھر دونوں کی گفتگو کا محور وہ ہی تھا۔

مراد دھیمے لفظوں میں طیبہ کو سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔

اور وہ جانتے تھے کہ وہ اس میں کامیاب ہو جائیں گے۔

اگلے چند ہی دنوں میں قصر کیانی میں شادی کے ہنگامے جاگ اٹھے تھے۔

یہ سب اتنی برق رفتاری سے ہوا تھا کہ خود اسفند اور سنایہ بھی بے یقین تھے۔

سنایہ کو منانے والے بھی مراد کیانی خود تھے۔ طیبہ کا رویہ سنایہ کے ساتھ اچھا نہیں تو برا بھی نہیں تھا۔

وہب نے مصروفیت کا بہانہ کر کے آنے سے معذرت کر لی تھی۔

اسفند اسے مصروف سمجھ کر دل مسوس کر رہ گیا تھا۔۔

لیکن فی الحال شادی کو موخر نہیں کر سکتا تھا کہ ابھی طیبہ مان گئی تھیں۔

اس کا بس چلتا تو اسی رات نکاح پڑھوا لیتا جب مراد کیانی نے اسے یہ خوشخبری سنائی تھی۔

سنایہ کا اسے علم نہیں تھا کہ وہ کیسا محسوس کر رہی تھی۔

کیونکہ تاریخ طے ہونے کے بعد سے اس نے خود ہی اسفند کے سامنے آنے سے گریز شروع کر دیا تھا۔

شاید وہ اس سے خفا تھی۔

لیکن وہ مطمئن تھا کہ بس دو دن کی دوری ہے اس کے بعد وہ اسے پورے حق سے منا لے گا۔

URDU NOVELS MAG

حال۔۔

رات کی سیاہی نے کچھ دیر پہلے ہی آسمان کو اپنی لپیٹ میں لیا تھا۔

چاند کی مدھم روشنی میں ماحول پر ایک سکون کا إحساس سرائیت کرتا محسوس ہوتا تھا۔

سوائے سنایہ کیانی کے جس کے دل میں بھانبڑ جل رہے تھے۔۔

اسرٰی نہ جانے حرم کو لے کر کہاں غائب ہو گئی تھی اور اب اس کے پاس سوائے وہب کی بات ماننے کے کوئی چارہ نہیں تھا۔

اس کا دل چاہ رہا تھا اس جگہ کو آگ لگا دے۔ اور سب سے آگے صف میں وہب کیانی کو کھڑا کرے۔

لیکن فی الحال وہ سوائے جلنے کڑھنے کے کچھ کر بھی نہیں سکتی تھی۔

بخت آور جو اب یہاں کی خاص ملازمہ تھی اسے کچھ دیر پہلے ہی سرخ جوڑے کے ساتھ زیور پہنچا گئی تھی۔

اور اس وقت وہ اپنی قسمت پر شکوہ کناں اسے خالی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"چھوٹی بی بی۔ وہب صاحب نے کہلوایا ہے کہ مولوی صاحب آگئے ہیں۔"

کچھ دیر بعد بخت آور وہب کا پیغام لئے پھر حاضر ہوئی۔

"نیچے کون کون ہے بخت آور؟"

اس نے خالی نگاہوں سے سوال کیا۔

"بس گھر کے چند لوگوں کے سوا کچھ خاص مہمان ہیں۔"

"حرم--- حرم ہے نیچے؟"

اس کی آنکھوں میں اس وقت کوئی بھی جذبہ موجود نہیں تھا۔

وہ اتنی ہی خالی تھیں جتنا کہ اس کا دل"!

"جی وہ بھی اسرٰی بی بی کے ساتھ پہنچنے والے ہیں۔"

"تم--- تمہیں کس نے بتایا یہ؟"

وہ ایکدم چونکتی کھڑی ہوئی تھی۔

"جی میں نے کسی کو کہتے سنا تھا۔ یاد نہیں۔"

بخت آور ایکدم گڑبڑائی تھی۔

سنایہ چند ثانیے اسے خاموش نظروں سے دیکھتی رہی۔

"ٹھیک ہے تم جاؤ۔ میں آتی ہوں۔"

ایک گہرا سانس بھرتی وہ دھپ سے بیڈ پر بیٹھی۔

بخت آور اسے عجیب نظروں سے دیکھتی دروازہ بند کر کے باہر نکل گئی۔

"میں قسم کھاتی ہوں وہب کیانی کہ ہر خوشی تم پر حرام کر دوں گی۔"

سامنے رکھے سرخ جوڑے کو مٹھیوں میں بھینچتی وہ بڑبڑائی۔

کچھ دیر بعد وہ نیچے ڈرائنگ روم میں بیٹھی تھی۔

چہرہ بنا میک اپ کے تھا۔

بس جوڑا پہننے کا تکلف کر لیا گیا تھا۔

وہب کے وعدے کے مطابق حرم تو موجود تھا۔۔ لیکن طیبہ کیانی منظر سے غائب تھیں۔

یعنی وہ اس شادی کے لیے راضی نہیں ہوئی تھیں۔

"Mom, you're looking so beautiful."

حرم اس کے نزدیک آتے چہکا۔

نہ جانے اسریٰ نے اس سے کیا کہانیاں کی تھیں۔

یقیناً وہ حرم کو ان کی شادی کے لیے ذہنی طور پر تیار کر کے لائی تھی۔

اس نے نرمی سے حرم کے گال سہلائے۔

ایک کاٹ دار نظر اسریٰ پر ڈالی جو اسے دیکھنے سے احتراز برت رہی تھی۔

تب ہی مراد کیانی ہاتھ میں نکاح نامہ تھامے اس کے نزدیک آئے۔

آگے سب کچھ کسی معمول کے کام کی طرح ہوتا گیا۔

اس نے کسی قسم کی کوئی مزاحمت نہیں کی۔

نکاح ختم ہوا تو اسریٰ اسے وہب کے کمرے تک پہنچانے کے لیے دھڑکتے دل سے نزدیک آئی۔

جانتی تھی وہ بھائی کی طرفداری میں بہت بڑا قدم اٹھا گئی تھی اور اب سنایہ اسے ہرگز معاف نہیں کرے گی۔

سنایہ نے اس کی طرف دیکھے بنا حرم کا ہاتھ تھاما اور اوپر جانے والی سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی۔

نیچے بیٹھے سب ہی لوگ ایک دوسرے سے نگاہیں چرا گئے تھے۔

جس وقت وہب نے کمرے میں قدم رکھا۔

وہ بیڈ کے کنارے بیٹھی حرم کو ہلکے ہلکے تھپک رہی تھی جو نیند میں جا چکا تھا۔

اس کا وجود اس وقت بھی اسی کالی چادر میں لپٹا تھا۔

وہب نے ایک نظر اس پر۔۔ دوسری حرم پر ڈالی پھر بنا کچھ کہے ڈریسنگ روم کی جانب بڑھ گیا۔

سنایہ اگر اس کے چہرے پر کوئی حیرانی یا بے یقینی دیکھنا چاہتی تھی تو وہ ناکام ٹھہری تھی۔

حرم اب گہری نیند میں تھا۔

وہ اٹھ کر کمرے کا دروازہ کھسکاتی باہر آ گئی۔

یہ کمرے سے ملحقہ ٹیرس تھا۔

وہ کچھ دیر یہاں بیٹھ کر کھلی فضا میں سانس لینا چاہتی تھی۔

وہ اسے زچ کرنے کے لیے اس کے کمرے میں آ تو گئی تھی۔ لیکن یہاں آ کر غیر آرام دہ تھی۔

گردن اونچی کیئے وہ آسمان کو دیکھنے لگی۔ چہرے پر سوچوں کا جال بچھا تھا۔

"یہاں کیوں کھڑی ہیں؟"

وہ چونک کر پلٹی۔ وہب اس کے بالکل برابر میں کھڑا تھا۔

"تم اپنے کام سے کام رکھو۔"

وہ پلٹ کرغرائی۔ حرم کی نیند کے خیال سے آواز دھیمی تھی۔

"میرے یا میرے بیٹے کے معاملات میں بولنے کی غلطی ہرگز نہیں کرنا۔"

چہرہ غصے سے دہکنے لگا تھا۔

"جو کچھ تم نے آج کیا ہے نا وہب کیانی یہ ذلالت کی وہ آخری حد تھی جس سے نیچے نہ میں تمہیں جانے کی اجازت دوں گی اور نہ تم کوشش کرنا۔"

وہب نے گردن جھکاتے لب کاٹے۔

گردن میں ابھرتی نسیں اس کے ضبط کا پتہ دے رہی تھیں۔

چند سیکنڈ وہ خاموش کھڑا رہا۔

اسے پتہ تھا اس نے سنایہ کا دل بری طرح دکھایا ہے۔

وہ حرم والی حرکت پر اسے ہرگز آسانی سے معاف نہیں کرے گی۔

"I'm sorry for.."

"معافیاں غلطیوں کی ہوتی ہیں۔"

اس نے بیچ سے اس کی بات کاٹ دی۔

"تم نے جو کچھ کیا وہ جان بوجھ کر کیا جانے والا جرم تھا۔

اور جرم کی صرف سزا ملتی ہے۔"

وہ جانے کے لئے پلٹ گئی۔

"اور ہاں۔۔"

کچھ سوچ کر وہ واپس مڑی۔

"اس کمرے میں رہنا میری مجبوری ہرگز مت سمجھنا۔

میں یہاں رہ کر تمہیں تمہارے ضد کے بے حیثیت ہونے کی یاد دلاتی رہوں گی۔۔"

دروازہ کھولتی وہ اندر چلی گئی۔

وہب نے ایک بوجھل سانس خارج کیا۔

کچھ دیر آنکھیں موندے وہ وہیں کھڑا رہا۔

وہ بلاشبہ سنایہ کو پہلے پسند کرتا تھا۔ اس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔

لیکن اسفند سے شادی کے بعد اس نے سنایہ کے ہر خیال کو دل و دماغ سے نوچ پھینکا تھا۔

اور وقت نے یہ ثابت کیا تھا کہ وہ جوانی کی بس ایک کشش تھی جسے وقت کی گرد نے کہیں دفنا دیا تھا۔

اب جب وہ یہاں آ گیا تھا تو بھی اس نے کبھی سنایہ کو اس نظر سے نہیں دیکھا تھا۔

وہ اس کے بھائی کی بیوہ تھی اور اس کے لیے قابل احترام۔

اس نے تو طیبہ کو شادی کے لیے لڑکیاں تک دیکھنے کی اجازت دے دی تھی۔

لیکن اس دن جو کچھ بھی ہوا تھا۔ اس کے بعد اسے لگا تھا کہ اسے سنایہ کو ایک مضبوط سائبان دینا ہو گا۔

ورنہ شاید اس معاشرے میں اس کی زندگی مشکل بنا دی جائے گی۔

اس کی نیت بھلے نیک تھی لیکن طریقہ غلط تھا اور اب اس کے نتائج تو اسے بھگتنا ہی تھے۔

ایک جانب نئی نویلی بیوی دھمکیاں دے رہی تھی۔

تو دوسری جانب ماں نے بھی ساری عمر اس کی شکل نہ دیکھنے کی دھمکی دے ڈالی تھی۔

لیکن وہ ماں تھیں وہ جانتا تھا وہ انہیں منا لے گا۔

اصل مسئلہ تو حرم کی ماں کا تھا جسے منانا شاید ناممکنات میں سے تھا۔

دور آسمان پر ہلکے گلابی اور سنہری رنگ کا امتزاج ایک نئی روشن صبح کی نوید دے رہا تھا۔

چڑیوں کی چہچہاہٹ اور کوئل کی کوک ہوا میں کوئی نغمہ بکھیرتی محسوس ہو رہی تھی۔

قصر کیانی میں بھی زندگی جاگ اٹھی تھی۔

اوپری منزل پر بنے وہب کے کمرے میں روشنی کے سنہری دھارے کھڑکیوں کی جھری سے داخل ہوتے دیوار پر خوبصورت عکس چھوڑ رہے تھے۔

بیڈ پر لیٹے تینوں گہری نیند میں تھے۔

سنایہ کا ہاتھ حرم کے اوپر تھا اور حرم اپنی ایک ٹانگ اس پر رکھا بازوؤں سے حصار بنایا تھا۔

جبکہ بیڈ کے دوسرے کنارے پر وہب سینے پر ہاتھ رکھا چت لیٹا تھا۔

تب ہی سائیڈ ٹیبل پر رکھا اس کا موبائل بج اٹھا۔

"اونہوں"!

سنایہ کی نیند میں ڈوبی آواز سنائی دی۔

وہب کی آنکھ بھی کھل چکی تھی۔

جب تک وہ فون کاٹتا یا سائلنٹ پر کرتا۔ سنایہ ایک بار پھر بول پڑی تھی۔

"اسفی پلیز اسے بند کریں۔"

کروٹ بدلتی وہ ناراض سے لہجے میں گویا ہوئی۔

وہب کیانی کی انگلیاں جیسے ایکدم تھم گئی تھیں۔

اس نے برابر لیٹے دونوں ماں بیٹے کو بے ساختہ دیکھا۔

کتنا خوبصورت منظر ہوتا ہو گا جب اس کا بھائی اپنی چھوٹی سی فیملی کے ساتھ پرسکون سی نیند سوتا ہو گا۔

اس کی آنکھ میں ایک آنسو چمکا تھا۔

"میں آپ کی ہنستی بستی زندگی برباد کرنے والوں کو کسی قیمت پر نہیں چھوڑوں گا بھیا۔"

فون سائیلنٹ پر کرتے اس نے ایک بار پھر خود سے عہد کیا۔

جب تک سنایہ بھی ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

شاید اس نے لاشعوری طور پر جو بولا تھا۔ اس نے اسے شعور کی دنیا میں لاپٹخا تھا۔

"سوری۔۔ آئندہ سائلنٹ پر رکھوں گا۔"

موبائل رکھتا وہ دوبارہ بیڈ پر دراز ہو گیا کہ ابھی صبح کے سات بجے تھے۔

کال کسی ان نون نمبر سے تھی سو اسے کال بیک کرنے کی کوئی خاص جلدی نہیں تھی۔

سنایہ چند لمحے اس کی پشت کو گھورتی رہی پھر گردن جھٹکتے بستر چھوڑتی اٹھ گئی۔

وہ جلد از جلد وہب کی نظروں کے سامنے سے ہٹ جانا چاہتی تھی سو نیچے جانے کا ارادہ کرتی وہ واش روم کی جانب بڑھ گئی۔

ان کی شادی کو ہفتہ ہونے والا تھا۔

دونوں کے درمیان تناؤ بھری کیفیت کسی سے بھی ڈھکی چھپی نہیں تھی۔

اور نہ ہی سنایہ نے اسے چھپانے کی کوشش کی تھی۔

وہ تو نکاح کے اگلے دن ہی واپس اپنے گھر جانا چاہتی تھی لیکن مراد کیانی نے اسے کچھ دن یہاں اصرار کر کے روک لیا تھا۔

وہب سے اس کی بات چیت نہ ہونے کے برابر تھی۔۔

تو دوسری جانب وہ طیبہ کے سامنے جانے سے بھی گریز کر رہی تھی۔

اس کا سارا دن بند کمرے میں گزرتا تھا۔

آج چھٹی کا دن تھا۔

ناشتے کے بعد وہب اوپر کمرے میں آیا تو سنایہ اور حرم دونوں وہاں نہیں تھے۔

کچھ سوچتے ہوئے اس نے برابر والے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔ جو اسفند کا ہوا کرتا تھا۔

لگلے ہی پل اندر سے اجازت کی آواز آئی۔

یعنی وہ وہیں تھی۔

وہب نے آہستگی سے دروازہ کھولا۔

سامنے بیڈ پر اس کا ٹرالی بیگ رکھا تھا۔ جس میں وہ کپڑے بھر رہی تھی۔

جبکہ حرم نیچے رگ پر بیٹھا کلرنگ بک میں موجود تصاویر میں رنگ بھر رہا تھا۔

"آپ کہیں جا رہی ہیں؟"

دروازہ بند کرتا وہ بیڈ کے کنارے ہی کھڑا ہو گیا۔ دونوں ہاتھ ٹراؤزر کی جیبوں میں ڈالے ہوئے تھے۔

نگاہیں سنایہ کے جھکے سر پر جمی تھیں جو اس کی آمد پر بھی یوں انجان بنی اپنے کام میں مصروف تھی جیسے اس کی موجودگی کا اسے احساس تک نہ ہو۔

"مسٹر کیانی مجھے اپنے بیٹے کو پالنا ہے اور اس کے لیے نوکری کرنا بہت ضروری ہے۔"

اس کا انداز حسب توقع روکھا تھا۔

"تمہاری ضد کی وجہ سے میری پہلے ہی بہت چھٹیاں ہو گئی ہیں۔

اب مزید میرا دماغ خراب مت کرو اور یہاں سے چلے جاؤ۔"

وہ دوبارہ بیگ میں کپڑے بھرنے لگی۔

وہب نے ایک نظر حرم پر ڈالی جو منہ اٹھا کر سنایہ کی جانب دیکھ رہا تھا۔

ایک تاسف بھری نظر سنایہ پر ڈالتا وہ گردن جھٹک گیا۔۔

"حرم بیٹا۔ آپ کو دادا نیچے بلا رہے ہیں۔"

اس کی بات پر حرم چونکا۔

"I think he brought some chocolate for me."

وہ تیزی سے کلرنگ بک بند کرتا کھڑا ہوا۔

اگلے ہی پل وہ بھاگتا ہوا کمرے سے باہر نکل رہا تھا۔

"Haram, Be careful! Don't run!"

پیچھے سے سنایہ اسے ٹوکے بنا نہ رہ سکی۔ اسفند کے بعد سے وہ حرم کے لیے مزید حساس ہو گئی تھی۔

"دیکھیں۔ میں نے آپ سے شادی۔۔۔۔"

کمرے کا دروازہ بند ہوا تو وہب اس کی جانب پلٹا۔

"مجھے تمہاری کوئی بکواس نہیں سننی ہے۔"

وہب کے چہرے پر سرخی دوڑی تھی۔

"بلکہ اچھا ہے حرم ابھی یہاں موجود نہیں ہے تو تم یہ بات کان کھول کر سن لو۔"

وہ کام سے ہاتھ روکتی اس کی جانب پلٹی۔

"تمہارا بچپن کا شوق اس کاغذ کے ٹکڑے تک محدود ہے۔"

اس کے لہجے میں طنز تھا۔

"میرے معاملات میں کسی بھی قسم کی دخل اندازی تمہارے لیے اچھی ثابت نہیں ہو گی۔"

وہب نے تحمل سے اس کی بات سنی۔

ضبط سے اس کے جبڑے بھنچے ہوئے تھے۔

"آپ کا ہو گیا؟"

اب کی بار اس کا لہجہ سرد تھا۔ سنایہ ایکدم سٹپٹائی تھی۔

"اب خاموشی سے میری پوری بات سنیں۔"

چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا وہ گھوم کر بیڈ کی دوسری جانب چلا آیا جہاں وہ کھڑی ٹرالی کی زپ لگانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"میں نے آپ سے شادی کسی شوق یا عیاشی کرنے کے لیے نہیں کی ہے۔"

سنایہ کا چہرہ سرخ پڑا تھا۔

"بلکہ اپنے بھتیجے کو مکمل اپنی سرپرستی میں لینے کے لیے کی ہے۔"

"وہ میرا بیٹا۔۔۔۔"

"ششش۔۔۔ میری بات مکمل ہونے دیں۔"

سنایہ نہ چاہتے ہوئے بھی خاموش ہوئی تھی۔ وہب کے تیور اس وقت بہت خطرناک تھے۔

"آپ کا اور میرا رشتہ جو بھی ہو۔ ہم اپنی تلخیاں حرم میں نہیں انڈیلیں گے۔ "

سنایہ نے بمشکل خود کو کچھ کہنے سے روکا۔

"آپ نے جو ابھی کیا یہ اس کی ذہنی صحت کے لیے ٹھیک نہیں تھا۔"

اس کا اشارہ کچھ دیر پہلے والی بات کی جانب تھا۔

"آپ اپنی جاب کنٹینو رکھیں یا نہ رکھیں۔ یہ آپ کا ذاتی فیصلہ ہے۔۔"

وہ سانس لینے کو رکا۔

"اور آپ کے فیصلوں پر میں دخل انداز نہیں ہوں گا۔"

وہ بہت ٹھہر ٹھہر کر بول رہا تھا اور نہ جانے کیوں سنایہ کیانی ضبط سے اسے سن رہی تھی۔

"لیکن آپ قصر کیانی میں رہیں گی۔

یہ میرا اور بابا کا فیصلہ ہے۔"

سنایہ نے احتجاجاً منہ کھولا۔

"میں نے کہا میری بات مکمل ہونے دیں۔"

سنایہ کے چہرے کی سرخی مزید گہری ہوئی تھی۔

"حرم کی پرورش اور اخراجات کیانیز اٹھائیں گے۔"

اس نے سنایہ کے ہاتھ سے ٹرالی بیگ کھینچا۔

"آپ جاب اپنی خوشی کے لیے کریں۔۔ حرم کی پرورش کے لیے نہیں۔"

آدھی بند ہوئی زپ کھول کر اس نے بیگ بیڈ پر اچھالا۔ سنایہ کا چہرہ غصے سے دہکنے لگا تھا۔

"آپ کے اور حرم کے لیے بابا نے بلٹ پروف گاڑی منگوائی ہے۔

آپ کو جہاں جانا ہو گا آپ صرف اس گاڑی میں اسی ڈرائیور کے ساتھ ہی جائیں گی۔

میرے علم میں آئے بنا آپ۔۔۔"

"تمہیں لگتا ہے کہ تمہاری اس ساری بکواس پر میں عمل کروں گی؟؟"

اس کی برداشت اب جواب دے گئی تھی۔

وہ مسلسل اتنی دیر تک وہب کی ہدایات نہیں سن سکتی تھی۔

وہ بھی اس صورت میں جب وہ اس پر دھونس جما رہا تھا۔

"جی بالکل! آپ میری بات سنیں گی بھی اور اس پر عمل بھی کریں گی۔"

وہب کیانی کا یہ روپ اس کے لئے نیا تھا۔ وہ ایک بار پھر خاموش ہوئی تھی۔

"آپ حرم کی ماں ہیں اور حرم ہمارا خون۔

دوسری صورت میں ہمیں حرم کو اپنے پاس رکھنا پڑے گا۔"

الفاظ کی ٹھنڈک سنایہ کو ریڑھ کی ہڈی میں اترتی محسوس ہوئی۔

اسے اپنے فیصلے پر پچھتاوا ہوا تھا۔ اسے وہب کیانی سے شادی نہیں کرنی چاہیئے تھی۔

"میرے علم میں آئے بنا آپ کہیں نہیں جائیں گی"!

اس کے انداز میں واضح دھمکی تھی۔ کمرے میں کچھ دیر خاموشی چھائی رہی۔ پھر وہب دروازہ کھولتا باہر نکل گیا۔

"اسفی مجھے کہاں چھوڑ گئے ہیں۔"

اس کے جاتے ہی وہ بیڈ پر گرنے کے انداز میں بیٹھی۔

"زندگی آپ کے بنا بہت مشکل ہے۔ مجھے اس سب سے گھٹن محسوس ہو رہی ہے۔"

آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے تھے۔ وہب کا جو انداز اس نے ابھی دیکھا تھا اس نے اسے اندر سے خوفزدہ کر دیا تھا۔

کل کو وہ یوں ہی استحقاق سے اپنے رشتے کا حق جتانے بھی آ سکتا تھا۔

اس سے بہت بڑی بھول ہوئی تھی جو یہ سمجھی تھی کہ وہب کیانی کو وہ اپنی کھینچی حدود سے آگے آنے نہیں دے گی۔

لیکن وہ بھی ایک کیانی تھا۔

ضدی، خود سر اپنی من مانی کرنے والا۔۔

"مجھے جلد از جلد اس مسئلے کا حل ڈھونڈنا ہو گا۔

میں حرم کو لے کر اس ملک سے ہی چلی جاؤں گی۔

پھر دیکھتی ہوں کون حرم پر حق جتاتا ہے۔"

گال پر پھسلے آنسو کو پونچھتے وہ بڑبڑائی۔۔

اسے اس مسئلے کا فوری اور مستقل حل ڈھونڈنا ہی تھا۔

کاشانہ چوہدری کے ڈائننگ روم میں رات کا کھانا کھایا جا رہا تھا۔

چھت سے لٹکتے چاندی کے فانوس کی روشنی کمرے میں ایک عجب سا جاہ پیدا کرتی محسوس ہو رہی تھی۔

سربراہی کرسی پر طلعت چوہدری براجمان تھی۔

اس کے دائیں جانب پینتیس برس کے لگ بھگ ایک آدمی بیٹھا تھا۔

یہ تھا "فہد چوہدری۔۔"

طلعت چوہدری کا بڑا بیٹا اور چوہدری اسٹیل ملز کا سی ای او۔۔

جبکہ بائیں جانب فخر چوہدری تھا۔

فخر کے برابر میں ایک طرح دار سی دبلی پتلی لڑکی بیٹھی تھی۔

یہ تھی "زروا چوہدری۔۔"

اجالا این جی او کی ڈائرکٹر اور فاؤنڈر۔

اس کے برابر میں آٹھ سالہ بیٹا زارون چوہدری تھا۔

URDU NOVELS MAG

"فہد۔"

"جی ممی۔۔"

ہلکے سرمئی شلوار قمیض میں ملبوس نوجوان نے گردن اٹھائی۔

وہ درمیانے قد، مضبوط جسم اور گندمی رنگت والا شخص تھا۔

فخر کے مقابلے میں کم گو۔۔ مگر مزاجاً زیادہ فرمانبردار اور شاید اسی وجہ سے طلعت کے زیادہ قریب بھی۔

"کل صبح نو بجے تمہیں کسی سے ملوانا ہے۔ تیار رہنا۔"

"کس سلسلے میں؟"

"تمہاری شادی کے سلسلے میں۔"

طلعت دھیما سا مسکرائی۔

"ممی۔۔ آپ جانتی ہیں یہ وہ واحد مطالبہ ہے جس پر میں آپ کی بات نہیں مان سکتا۔"

اس کا انداز دھیما تھا۔ طلعت نے ایک بوجھل سانس خارج کیا۔

"فہد۔۔۔ بس اب میں تمہاری اور نہیں سنوں گی۔"

طلعت کے لہجے میں قطعیت تھی۔

"یوں بھی یہ شادی سے زیادہ ایک بہت بڑی بزنس ڈیل ہے۔"

فہد نے ایک گہرا سانس خارج کیا۔

"اچھا۔ دیکھتا ہوں۔"

لب بھینچے وہ کرسی کھسکاتا کھڑا ہو گیا۔

فہد چلا گیا تو ایک بار پھر وہاں گہری خاموشی اتر آئی۔

طلعت بھی کرسی کھسکاتی اٹھنے لگی۔

"بابا کی طبعیت خراب ہے۔ وہ ہاسپٹلائزڈ ہیں۔"

اس سے پہلے وہ کرسی چھوڑتی۔

فخر کی آواز سنائی دی۔

اس کی نگاہیں اپنی پلیٹ پر جمی تھیں۔

وہ طلعت کو دیکھنے سے گریز کر رہا تھا۔

"میری طرف سے صبح انہیں ایک بوکے پہنچوا دینا۔"

اس کا لہجہ عام سا تھا۔

"کل فہد کو معظم گیلانی سے ملوانا ہے۔"

فخر نے نگاہیں اٹھائیں۔

ان میں تاسف تھا۔

طلعت کے انداز میں کوئی فرق نہ آیا۔

"بزنس کے معاملات کے ساتھ فہد اور ان کی بیٹی کی ملاقات بھی کروانا چاہتی ہوں۔

سو کل میرا دن کافی مصروف ہے۔"

بات مکمل کر کے وہ جانے کے لیے پلٹ گئی۔

فخر نے ایک چور نظر اپنے برابر بیٹھی زروا پر ڈالی جس کی آنکھوں میں تحیر اور شاید تھوڑا سا رشک بھی تھا۔

فخر کو ہمیشہ ہی لگتا تھا کہ زروا، طلعت کی حاکمانہ فطرت سے بہت متاثر ہے۔

وہ کم از کم اس گھر کی حد تک اس کی جیسی طاقت حاصل کرنے کی خواہاں تھی۔

اور اس پر طلعت کی اکبر چوہدری کی طرف یہ بے اعتنائی اور لاپرواہی زروا کو بھی اس کی طرف سے آسانی سے باغی کر سکتی تھی۔

اسی سوچ اور خوف کے زیر اثر وہ زروا پر وقتاً فوقتاً اپنی حاکمیت کا رعب جھاڑتا رہتا تھا۔

لیکن طلعت کا ہر بار ایسا رد عمل فخر چوہدری کو زروا کی طرف سے فکرمند کر دیتا تھا۔

"کل صبح ہم بابا کی طرف چلیں گے۔۔ برتھ ڈے کا پلان کینسل کر دو۔"

فخر کی آواز میں حاکمیت کا رنگ واضح تھا۔

"لیکن کیوں؟"

زروا جو واقعی اب تک طلعت کی باتوں کے زیر اثر تھی۔

ایکدم ہی فخر کی بات پر حواس باختہ ہوئی تھی۔

"بابا کی طبعیت خراب ہے۔ ہم کل ان کے ساتھ ٹائم اسپینڈ کریں گے۔"

اس کے لہجے میں اطمینان تھا۔

زروا کو طلعت کے اثر سے نکالنے میں وہ کامیاب ہو چکا تھا۔

اُسے اب اپنی فکر لگ چکی تھی۔

"فخر! لیکن برتھ ڈے کا انویٹیشن تو کتنے دن پہلے کا ہے۔

یوں بھی زارون کب سے اس ایونٹ کا ویٹ کر رہا ہے۔۔"

اس نے برابر بیٹھے آٹھ سالہ بیٹے کی جانب دیکھا۔

فخر کی نگاہیں بے ساختہ ہی زارون کی جانب پلٹیں۔

جو کھانے سے ہاتھ روکے باری باری دونوں کی جانب دیکھ رہا تھا۔

دونوں کے مباحثوں میں وہ اکثر ہی یوں منہ کھول کر ساری باتیں سنتا تھا اور پھر خاموشی سے اپنے کام میں مگن ہو جاتا تھا۔

"Dad I really wanna go to shahrez's birthday!"

)ڈیڈ مجھے شاہ ریز کی سالگرہ میں جانا ہے۔(

فخر کو اپنی جانب متوجہ پا کر وہ ٹھٹکا۔

فخر نے ایک تیز نظر زروا پر ڈالی۔

جو اب اطمینان سے دوبارہ اپنے کھانے کی جانب متوجہ ہو گئی تھی۔

اس نے اپنی ڈھال تیار کر لی تھی۔

اور جانتی تھی فخر اپنے بیٹے کے سامنے اپنا امیج ہرگز خراب نہیں کرنا چاہتا تھا۔

سو وہ اس بات کا بھرپور فائدہ اٹھاتی تھی۔

"But beta, Dadda isn't well.. Don't you think we should go see him?"

)لیکن بیٹا دادا کی طبعیت خراب ہے۔ تمہیں نہیں لگتا ہمیں انہیں دیکھنے جانا چاہئیے ؟(

فخر کا لہجہ اور انداز ایکدم ہی دھیما ہو گیا تھا۔

"I have a solution Dad, we can see Dadda in morning and at night we'll go to the birthday party!"

")میرے پاس ایک حل ہے ڈیڈ۔۔ ہم دادا سے صبح مل لیں گے اور رات کو سالگرہ میں چلیں گے۔"

زارون کی آنکھیں چمکی تھیں۔

اسے لگا تھا اس نے ماما، بابا دونوں کا مسئلہ حل کر دیا تھا۔

فخر نے ایک گہرا سانس لیا۔ ہولے سے گردن ہلائی۔

"Okay!"

فخر کے جواب پر زروا کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ ابھر کر فوراً معدوم ہوئی تھی۔

وہ جیتی نہیں تھی۔ اس نے فخر کو ہرایا تھا۔

اندر کہیں اطمینان کی گہری لہر اٹھ کر جیسے سارے وجود میں سرائیت کر گئی تھی۔

اگلے ہی پل فخر خاموشی سے میز چھوڑتا اٹھ گیا۔۔ لیکن اس کا چہرہ ستا ہوا تھا۔

"سائیکو پیتھ"!

اس کے پلٹتے ہی زروا بڑبڑائی۔

بڑبڑاہٹ اتنی اونچی ضرور تھی کہ برابر کرسی پر بیٹھا زارون بخوبی سن سکتا تھا۔

لیکن زروا کو شاید اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

قصر کیانی کی رونقیں بحال ہو گئی تھیں۔

سنایہ نہ چاہتے ہوئے حرم کو لے کر یہاں رہنے لگی تھی۔

وہب کی حرم کو اپنے پاس رکھنے کی دھمکی کارگر گئی تھی۔

لیکن ایسا نہیں تھا کہ وہ مکمل اس کے رحم وکرم پر تھی۔

وہ ان کے ڈرائیور اور گاڑی پر یونیورسٹی اور حرم کے اسکول آتی جاتی ضرور تھی۔۔

لیکن اس بیچ یونیورسٹی سے ہاف ڈے لے کر اس نے ٹریول ایجنٹ سے ملاقات کی تھی۔

وہ کینڈین امیگریشن کے لیے اپلائی کر رہی تھی۔ ممکن تھا چند ماہ میں ہی ان کا پروسس مکمل ہو جاتا۔

لیکن تب تک اسے وہب کو اس بات کی تسلی کروانی تھی کہ سب کچھ اس کی مرضی کے مطابق چل رہا ہے۔

وہ اس کی ہر بات پر صرف یہ سوچ کر صبر کر رہی تھی کہ جلد ہی وہ اس سے اور اس خاندان سے چھٹکارا پا کر یہاں سے چلی جائے گی۔

دوسری جانب وہ اس بات سے قطعی لاعلم تھی کہ ان کی سیکوریٹی کے لیے گھر کے اطراف میں اور اندرونی کوریڈورز میں بھی مزید کیمراز لگا دیئے گئے تھے۔

نئے گارڈز بھی رکھے گئے تھے۔

ایک باقاعدہ سیکوریٹی روم تشکیل دیا گیا تھا جو گھر کے اطراف لگے کیمروں کو مسلسل مانیٹر کرتا تھا۔

کیونکہ جو بات وہب جانتا تھا وہ سنایہ جان لیتی تو شاید اس کی رات کی نیندیں حرام ہو جاتیں۔

نکاح والے دن انہیں باخبر ذرائع سے اطلاع ملی تھی کہ حرم کیانی کسی کے نشانے پر تھا۔

کس کے اور کیوں؟ یہ تو وہب بھی پتہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔

اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ ایک سات سال کا بچہ کیسے کسی کے لیے خطرہ ہو سکتا تھا۔

اگر مسئلہ کیانیز کی نسل ختم کرنے کا تھا تو پھر حرم سے پہلے اس کا نام آنا چاہیئے تھا۔

لیکن وجہ جو بھی تھی۔ انہیں حرم کی حفاظت کا مکمل انتظام کرنا تھا۔

وہب تو دونوں کو ملک سے باہر بھیجنا چاہ رہا تھا۔ لیکن اس بات پر مراد کیانی راضی نہیں ہوئے۔

حرم ان کے لیے اسفند کی آخری نشانی تھا۔

انہیں لگ رہا تھا۔۔ ایک بار سنایہ یہاں سے چلی جاتی تو وہ حرم کی شکل تک دیکھنے کو ترس جاتے۔

وہب کے لاکھ سمجھانے پر بھی وہ نہیں مانے تھے۔

انہوں نے کہہ دیا تھا کہ حرم کی حفاظت کی مکمل ذمہ داری وہ خود اٹھائیں گے۔

بلکہ وہ تو حرم کو اسکول بھیجنے پر بھی راضی نہیں تھے کہ اس کے لیے کسی ہوم ٹیوٹر کا بندوبست ہو جائے گا۔

مگر وہب اس حق میں نہیں تھا۔

وہ حرم یا سنایہ کے دل میں کوئی ڈر یا خوف پیدا نہیں کرنا چاہتا تھا۔

وہ چاہتا تھا کہ سنایہ جیسے اسفند کی زندگی میں بے فکری کی زندگی گزار رہی تھی ایسے ہی اب بھی رہے۔

لیکن کہیں نہ کہیں تو انہیں اس پر پابندی لگانی تھی۔ جو سنایہ کو قید محسوس ہونے لگی تھی۔

جس وقت سنایہ گھر میں داخل ہوئی وہب اور حرم پی ایس پر کوئی گیم کھیلنے میں مصروف تھے۔

طیبہ وہیں نزدیک ہی صوفے پر بیٹھی کسی سے فون پر بات کر رہی تھیں۔

اس نے دھیمے سے سلام کیا۔

منہ ہی منہ میں جواب دیتی طیبہ لاؤنج چھوڑ گئیں۔

وہ اس رویئے کی عادی ہو چکی تھی سو نظر انداز کرتی حرم کی جانب پلٹی۔

"کیسا ہے میرا بیٹا؟"

اس نے پیچھے سے حرم کی گردن میں بازو حمائل کیئے۔

"!Mom, you're ruining my focus"

حرم کی ناراض سی آواز سنائی دی۔

ساتھ ہی وہ تیزی سے کنسول پر انگوٹھے چلانے لگا۔

سنایہ نے ایک خفا نظر حرم پر ڈالی اور دوسری وہب پر جس کی ساری توجہ گیم پر ہی تھی۔

وہ نہ جانے کیوں ہر دم حرم کا سایہ بنا رہتا تھا۔

سنایہ کو تو اس کی یہ سازش ہی لگتی تھی کہ وہ حرم کے ذریعے اس پر اپنا تسلط جمانا چاہتا ہے۔

بھاری دل سے وہ اوپری منزل پر موجود اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

وہب نے اس کی افسردگی محسوس کی تھی اور اسی لیے اس نے بھی کچھ دیر بعد ہی گیم ختم کر کے حرم کو سنایہ کے پاس بھیج دیا۔

اسے یوں بھی ایک دو اہم کام نمٹانے تھے۔

اور پھر رات اسفند کے کیس کے سلسلے میں کسی سے ملنے جانا تھا۔

اسفند سے متعلق اسے ٹوٹے پھوٹے شواہد مل رہے تھے۔

لیکن وہ پھر بھی پزل کا ہر ٹکڑا سنبھال کر رکھ رہا تھا کہ اکثر معمولی نوعیت کی چیزیں بہت اہمیت کی حامل بن جاتی ہیں۔

باب ۲

آخری نشانی۔

رات کی سیاہی گہری ہو چکی تھی۔

کہر کی ہلکی تہہ ہر شے کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے تھی۔

شہر کے نواح میں واقع ترنول کے ویران اور سنسان علاقے میں وہب کی گاڑی محو سفر تھی۔

یہاں غیر قانونی بستیاں آباد تھیں۔

جہاں اکثر ہی جرائم پیشہ افراد قانون کی گرفت سے بچنے کے لیے پناہ لے لیتے تھے۔

اس وقت اس کا یہاں آنا بلاشبہ ایک پرخطر کام تھا لیکن اسفند کے قاتلوں کو ڈھونڈنے کے لیے وہ کسی بھی حد تک جا سکتا تھا۔

کیونکہ یہ تو وہ جان چکا تھا کہ قانونی طریقے سے وہ یہ جنگ نہیں جیت سکتا تھا۔

اسفند کا کیس بھی دوسرے کیسز کی طرح فائلوں کی نذر ہو چکا تھا۔

طلعت بھی بس زبانی جمع خرچ ہی کر رہی تھی۔ مراد کیانی نے شروع شروع تھوڑی کوشش کی تھی۔۔

لیکن وہ بھی اپنی سیاسی الجھنوں میں ایسے جکڑے تھے کہ ان کے پاس بھی شاید اس سب کے لیے وقت نہیں تھا۔

گاڑی مطلوبہ مقام پر پہنچی تو اس نے سیٹ کے نیچے رکھی پسٹل نکال کر ایک بار پھر گولیوں کی یقین دہانی کی اور اسے ٹراؤزر کے پچھلے حصے میں اڑس لیا۔

ساتھ ہی ایک چھوٹا چاقو موزے میں چھپایا۔

کہیں نہ کہیں اسے یہ ڈر تھا کہ یہ ایک ٹریپ بھی ہو سکتا ہے۔

کیا پتہ واقعی اسفند کو مارنے والوں کا مقصد کیانی خاندان کی نسل کشی ہو تب ہی تو وہ حرم کے پیچھے بھی تھے۔

حرم کا خیال آتے ہی اس نے ایک بار پھر موبائل باہر نکالا اور کیمرے کی نگرانی پر مامور گارڈ کو کال ملائی۔

اس کی جانب سے تسلی بخش جواب ملا تھا۔

لیکن مزید اپنی تسلی کے لیے اس نے موبائل میں سیکوریٹی کیمرہ ایپ بھی کھول کر دیکھی۔

گھر کے داخلی حصے میں گارڈز مستعدی سے ٹہل رہے تھے۔ جبکہ اندرونی کوری ڈور میں بھی سناٹا تھا۔

ان کی طرف سے اطمینان کرتے اس نے اپنا موبائل سیٹ کے نیچے بنے اسی خفیہ خانے میں رکھ دیا جہاں سے پسٹل نکالی تھی۔

جبکہ دوسرا عام استعمال والا موبائل نکال کر جیب میں رکھتا گاڑی سے اتر گیا۔

اب وہ ان تنگ اور پرپیچ گلیوں میں پیدل چل رہا تھا۔ مطلوبہ گلی میں پہنچ کر اس نے اردگرد نظر دوڑائی۔

یہ ایک رہائشی علاقہ تھا۔

ایک جیسے قدیم طرز کے بنے مکانات تھے۔ وہ ابھی مطلوبہ گھر ڈھونڈ ہی رہا تھا جب اس کے موبائل پر کال موصول ہوئی۔

"اسی گلی کے آخری سرے پر موجود زیر تعمیر گھر میں آ جاؤ۔"

ہدایت دیتے ساتھ ہی کال کاٹ دی گئی۔

اپنے ٹراؤزر کے پچھلے حصے میں اڑسی پسٹل کی یقین دہانی کرتا وہ تیز تیز قدم اٹھاتا آگے بڑھنے لگا۔

دور کہیں اب کتوں کے بھونکنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

مطلوبہ مکان پر پہنچ کر اس نے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں۔

وہاں گھپ اندھیرا تھا۔

موبائل کی ٹارچ آن کرتا وہ دبے قدموں اندر بڑھنے لگا۔ ہاتھ پسٹل پر تھا۔ اور وہ خود چوکنا۔

"کوئی ہے؟"

خالی گھر میں اس کی آواز گونج کر دم توڑ گئی۔

اس نے کافی دفعہ یہی عمل دہرایا لیکن لگتا تھا وہاں کسی کا نام و نشان تک نہ تھا۔

کچھ دیر وہ وہیں کھڑا انتظار کرتا رہا۔

بار بار موبائل بھی چیک کرتا کہ شاید کوئی پیغام آیا ہو۔ مگر دوسری جانب سے ایکدم خاموشی تھی۔

شاید اس کے ساتھ کوئی بھونڈا مذاق کیا گیا تھا۔۔

تقریباً بیس منٹ انتظار کرنے کے بعد اس نے واپسی کی راہ لی۔ دل اور قدم دونوں ہی بہت بوجھل ہو رہے تھے۔

وہ یہاں کسی ثبوت کی امید پر آیا تھا۔ لیکن یہ کوشش بھی ناکام گئی تھی۔

گاڑی میں بیٹھ کر اس نے ایک بوجھل سانس خارج کیا اور تب اچانک اس کی نظر پسینجر سیٹ پر رکھی ایک یو ایس بی پر گئی۔

جس کے اوپر ایک چٹ رکھی تھی۔

وہ چونک کر سیدھا ہوا۔

چٹ پر انگریزی میں لکھا تھا۔

.From Asfand

یو ایس بی اٹھاتا وہ تیزی سے گاڑی سے باہر نکلا۔

شاید اسے رکھنے والا کہیں نزدیک ہو۔

لیکن دور دور تک ایکدم سناٹا پھیلا ہوا تھا۔

وہ جو کوئی بھی تھا بہت شاطر تھا۔

اسے گاڑی سے دور بھیج کر اس نے اپنا کام کر دیا تھا۔

جبکہ وہ گاڑی لاک کر کے گیا تھا۔

لیکن آنے والا پوری تیاری کے ساتھ آیا تھا۔

شاید ماسٹر کی یا کسی الیکٹرانک ڈیوائس سے لاک توڑا گیا تھا۔

مٹھی میں یو ایس بی دباتا وہ دوبارہ گاڑی میں بیٹھ گیا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

اسے گھر پہنچ کر سب سے پہلے اسے دیکھنا تھا۔ سوچوں میں گھرے اس نے گاڑی اسٹارٹ کی۔

عین اسی وقت سامنے بنے گھر کی چھت پر کھڑا سایہ دھیمے سے مسکرایا تھا۔

مسکراہٹ فاتحانہ تھی۔

کہر کے باعث وہ زاویہ ایسا تھا کہ نیچے کھڑے شخص کو کچھ نظر آنا ناممکن تھا۔

وہب کی گاڑی اس علاقے سے نکلی تو سیڑھیاں اترتا وہ بھی اندھیرے میں گم ہو گیا۔

رات کی تاریکی اسلام آباد کے اس پوش علاقے میں خاموشی کی دبیز چادر اوڑھے تھی۔

آسمان مخملی سیاہی میں ڈوبا تھا۔

بس چند ایک ننھے تارے کسی جگنو کی مانند ٹمٹا رہے تھے۔

قصر کیانی کی اوپری منزل پر موجود کمرے میں وہب ایک کنارے لگی ڈیسک کے آگے بیٹھا نظر آ رہا تھا۔

سامنے میز پر لیپ ٹاپ کھلا تھا۔

جس کی نیلی روشنی اس نیم تاریک کمرے میں پھیلی تھی۔۔

یہاں چھائی گہری خاموشی کو کی بورڈ کی ٹک ٹک توڑ رہی تھی۔

اس کی آنکھوں میں بے چینی نمایاں تھی۔

یو ایس بی کنکٹ کرتے ہی اسکرین پر ایک پیغام ابھرا کہ ڈرائیو انکرپٹڈ ہے اور عام طریقے سے نہیں کھل سکتی۔

اس نے گہرا سانس لیا۔

وہ جانتا تھا اسفند اتنی آسانی سے کوئی چیز کسی کے حوالے نہیں کر کے جا سکتا تھا۔

اس کا بھائی کتنا قابل تھا۔

اسے اس بات کا اچھی طرح ادراک تھا۔

اسفند عام صحافی نہیں تھا۔ ڈیجیٹل تفتیش اس کی پہچان تھی۔

اس نے Carnegie Mellon University سے ڈیجیٹل جرنلزم اور سائبر سیکوریٹی میں ماسٹرز کیا تھا۔

خفیہ ڈیٹا نکالنے، ڈیپ ویب سے معلومات اکھٹا کرنے اور بند فائلیں کھولنے میں وہ ماہر تھا۔

سو وہب کو اندازہ تھا وہ اپنے راز سو پردوں کے پیچھے چھپا کر گیا ہو گا۔

اور جس کے لیے چھپا کر گیا تھا۔ وہ خود اس میدان کا بے تاج بادشاہ تھا۔

اداسی سے مسکراتے اس نے مخصوص پروگرام کھولا۔

کئی منٹ گزر گئے۔ اسکرین پر کوڈ کی لکیریں دوڑتی رہیں۔

وہ تحمل سے اسکرین پر نظر جمائے بیٹھا رہا۔

کچھ دیر بعد اسکرین پر ایک آڈیو فائل سامنے آئی۔ اس نے دھڑکتے دل سے اسے کھولا۔

"اگر تم میری آواز سن رہے ہو تو اس کا مطلب میں اس وقت دنیا میں نہیں ہوں۔"

یہ اسفند کی آواز تھی۔ وہ ایکدم ساکت ہو گیا۔

کتنے عرصے بعد اس نے اپنے بھائی کی آواز سنی تھی۔ آنکھوں کے گوشے نم ہوئے تھے۔

"تمہیں وہی کرنا ہے۔ جس میں تم بہترین ہو۔

جو کچھ میں نے جانا ہے۔

وہ پورے نظام کو بے نقاب کر سکتا ہے۔"

اس کی آواز بہت دھیمی تھی۔

"آگے بڑھنے کے لئے بس تمہیں ایک بات یاد رکھنی ہے۔

".Trust the code"

اس جملے کے ساتھ ہی آڈیو ختم ہو گئی۔

وہب نے دوبارہ آڈیو چلائی۔

وہ بار بار اسے ری پلے کرتا گیا۔ نہ جانے کتنی دفعہ اس نے اس آڈیو کو سنا۔

دل بہت بھاری محسوس ہونے لگا تھا۔

کچھ دیر وہ خالی الذہنی کی کیفیت میں اسکرین کو تکتا رہا۔

اسفند کا پیغام دماغ میں گڈمڈ ہو رہا تھا۔

ایک گہرا سانس بھرتے اس نے دوبارہ ماؤس تھاما۔

آگے کچھ مزید فائلز تھیں۔

وہ ایک ایک کر کے سب کھولتا گیا۔ لیکن وہاں کچھ بھی خاص نہیں تھا۔

اور تب ایک جگہ اسے ایک فولڈر نظر آیا۔

.Sanaya

سنایہ کا نام پڑھ کر وہ سیدھا ہوتا بیٹھا۔

"یہ کیا ہے؟"

وہ بڑبڑایا۔

دھڑکن بے ترتیب ہوئی تھی۔

آخر اسفند نے سنایہ کا نام اپنے خفیہ ڈیٹا میں کیوں رکھا؟

کیا سنایہ کچھ جانتی تھی؟

اس نے ہچکچاتے ہوئے فولڈر کھولا۔ اندر صرف چند سطریں تھیں۔

ایک مختصر سا نوٹ--

".The key is in the echo"

اس نے آنکھیں چندھیائیں--

"ایکو یعنی بازگشت؟"

اس کا کیا مطلب تھا؟

اس نے ایک بار پھر آڈیو پلے کی۔

اسفند کی آواز کمرے میں گونجنے لگی۔

وہب بغور اسے سنتا رہا۔

لیکن اس میں اسے کچھ بھی واضح اشارہ یا کوئی خاص بات محسوس نہیں ہوئی۔

"ایکو کہاں ہے؟"

وہ زیر لب بڑبڑایا۔

رات کی سیاہی اب مٹنی شروع ہو چکی تھی۔

اس نے ساری رات اسی کمرے میں اس کرسی پر بیٹھ کر گزار دی تھی۔

آنکھوں کے گرد حلقے اور اندر تیرتے سرخ ڈورے اس کے دل کے حال کے غماز تھے۔ دماغ بھی اب بہت تھک چکا تھا۔

"شاید میرا دماغ ابھی چیزیں پراسس نہیں کر رہا۔"

ایک گہرا سانس بھرتے اس نے لیپ ٹاپ بند کیا۔

کچھ دیر بعد وہ کمرہ چھوڑتا نکل رہا تھا۔

اس کا رخ سنایہ اور حرم کے کمرے کی جانب تھا۔

زندگی بہت بے رنگ ہو گئی تھی۔

اور اس کا دل ایکدم خالی۔

اسفند کو سوچتے وہ بستر پر دراز ہو گیا۔

".The key is in the echo"

یہ جملہ اس کے ذہن پر مسلسل دستک دے رہا تھا۔

گیلانی مینشن چمکتی روشنیوں میں نہایا ہوا تھا۔ لان میں سفید اور سنہری رنگوں سے شاندار آرائش کی گئی تھی۔

ہر طرف نفیس لباس میں ملبوس سیاسی شخصیات، صنعتکار اور اعلیٰ طبقے کے لوگ نظر آ رہے تھے۔

فہد اور معظم گیلانی کی بیٹی ماہ نور نے ایک دوسرے کو پسند کر لیا تھا۔

اور یہ تقریب باضابطہ طور پر ان کے رشتے کے اعلان کے لیے منعقد کی گئی تھی۔

یوں تو اب تک فہد کے شادی نہ کرنے کی وجہ کوئی نہیں جانتا تھا۔

لیکن فخر کو لگتا تھا کہ شاید اپنے ماں باپ کی ناکام شادی ہی اس کے شادی نہ کرنے کی وجہ تھی۔

خود اس کا شادی کا تجربہ بھی خاص خوشگوار نہیں تھا۔۔ جسے وہ دونوں میاں بیوی زبردستی ہی گھسیٹ رہے تھے۔

طلعت کی آج چھب ہی نرالی تھی۔ سنہری ساڑھی جس کے پلو اور بارڈر پر ہم رنگ باریک کشیدہ کاری کی گئی تھی، پہنے وہ کسی نوخیز کلی کی مانند دکھتی تھی۔

آج بہت عرصے بعد اکبر چوہدری بھی ان کے درمیان موجود تھے۔

وہ کافی کمزور اور بوڑھے ہو گئے تھے۔

فیملی فوٹو میں طلعت کے برابر کھڑے وہ کہیں سے اس کے جوڑ کے نہیں دکھتے تھے۔

اگر کوئی انہیں باپ بیٹی سمجھتا تو اس مغالطے پر کوئی انہونی بات نہیں تھی۔

پورے فنکشن میں بس وہ ہی چھائی رہی۔

لوگ اس کے اردگرد اپنے مطلب نکلوانے کی غرض سے جی حضوری کرتے پائے جا رہے تھے۔

بڑی مشکل سے وہ سب سے جان چھڑاتی ایک کنارے کی جانب بڑھی تو نظر مراد کیانی پر ٹھہر گئی۔

اسے بالکل نہیں یقین تھا کہ وہ آج کی تقریب میں شرکت کریں گے۔

"السلام علیکم مراد۔۔ کیسے ہیں آپ؟"

لہجے میں خوشگوار حیرت تھی۔

ساتھ بیٹھے وہب اور سنایہ اتنے پرجوش استقبال پر کچھ حیران ہوئے تھے۔

وہ دونوں مراد کیانی کی زبردستی یہاں آ تو گئے تھے۔ لیکن شدید کوفت کا شکار ہو رہے تھے۔

"وعلیکم السلام۔۔ بہت بہت مبارک ہو۔۔"

مراد کیانی نے بھی رسمی جملوں کا تبادلہ کیا۔

وہ اپنی کرسی پر بیٹھے رہے جبکہ طلعت وہیں نزدیک ہی جا کر کھڑی ہو گئی۔

"مجھے اچھا لگا آپ یہاں آئے۔"

وہب نے ہمیشہ محسوس کیا تھا کہ طلعت کی آنکھیں مراد سے بات کرتے وقت روشن ہو جایا کرتی تھیں۔

وہ ہمیشہ اسے اپنا وہم قرار دیتا تھا۔۔ لیکن ہر بار محسوس کی جانے والی بات غلط نہیں ہو سکتی تھی۔

"سی ایم صاحبہ کے بلاوے پر تو یہاں سب سر کے بل دوڑے چلے آئے ہیں تو ہماری کیا حیثیت۔۔"

مراد کیانی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

"سر کے بل دوڑے آنے والوں کی فہرست میں اگر آپ شامل نہ ہوتے تو یہ محفل کچھ ادھوری لگتی مراد صاحب۔"

وہب کو اس کا یہ انداز خاص پسند نہیں آیا تھا۔

لیکن دو بڑے بات کر رہے تھے سو وہ خاموشی سے موبائل پر مگن رہا۔

"طیبہ بھابھی نہیں آئیں؟"

طلعت نے ادھر ادھر نظر دوڑائی۔ جیسے طیبہ کی موجودگی کا یقین چاہ رہی ہو۔

جبکہ وہاں بیٹھے تمام لوگ جانتے تھے کہ یہ بات برائے بات کی گئی تھی۔

طیبہ کیانی کو نہ طلعت چوہدری پسند تھی نہ ہی طلعت چوہدری کو طیبہ کیانی ایک آنکھ بھاتی تھی۔

سو یہاں ان کا آنا ناممکنات میں سے ہی تھا۔

"طیبہ کی کچھ طبعیت ٹھیک نہیں تھی۔"

مراد کی بات پر وہ مسکرا دی۔

"ویسے آج کل آپ کی پارٹی سوشل میڈیا پر خوب چھائی ہوئی ہے۔"

گفتگو کا موضوع فوراً ہی بدل گیا تھا۔

طیبہ اتنی اہم نہیں تھیں کہ طلعت ان پر مزید وقت ضائع کرتی۔

"وہ کیا ہے نا طلعت کہ زمانہ بہت تیزی سے بدل رہا ہے۔۔

اور بدلتے زمانے کے ساتھ خود کو نہ بدلنے والے وقت کی دوڑ میں بہت پیچھے رہ جاتے ہیں۔"

مراد کا انداز جتاتا ہوا تھا۔

دراصل کچھ وقت سے وہب نے ہی مراد کیانی کا ایکس ہینڈل سنبھالا ہوا تھا۔

بہت جلد ہی سوشل میڈیا پر ان کی پارٹی کا بیانیہ نظروں میں آنا شروع ہو گیا تھا۔

خاص کر کے نئی نسل ان کے ساتھ تیزی سے انگیج ہونا شروع ہو گئی تھی۔

طلعت کو اس بات کی خبر وقتاً فوقتاً مل رہی تھی۔

"چلیں آپ سوشل میڈیا پر تصاویر ڈال کر وقت گزاری کریں۔"

وہ طنزاً ہنسی۔

"ہم گراؤنڈ پر پرفارمنس دیتے ہیں۔"

مراد کیانی کا ہلکا سا قہقہہ فضا میں گونجا۔

وہب نے باری باری دونوں کو دیکھا۔

دونوں کی نگاہیں ایک دوسرے پر جمی تھیں۔

ایک دوسرے کو شکست دینے کی خواہش کے باوجود وہاں کچھ اور بھی تھا۔ جو کم از کم وہب کی سمجھ سے بالاتر تھا۔

سنایہ اس سب سے شدید بیزار ہو رہی تھی۔ ایک تو اسے یہاں آنا نہیں تھا۔

دوسرے سیاست کے موضوع سے اسے یوں ہی چڑ تھی۔

اس نے اپنی ساری توجہ حرم پر مرکوز کر لی جو آئس کینڈی کا گلاس تھامے بیٹھا تھا۔ اور اس کے منع کرنے کے باوجود مسلسل ضد کر رہا تھا۔

تب ہی میرال چوہدری ان کی میز کے نزدیک چلی آئی۔

سافٹ گولڈ شیڈ کی لانگ میکسی، ہلکی سی اسموکی آئیز اور بے حد نفیس جیولری۔

اس کے ایک ایک انداز میں وقار اور تمکنت چھلک رہی تھی۔

"ارے میرال بیٹا-- آپ کب واپس آئیں؟"

"ماموں-- بس ٹو ویکس ہوئے ہیں۔"

ایک نظر وہب پر ڈالی۔ چہرے پر نرم سی مسکراہٹ پھیلی تھی۔

"ابھی کچھ ٹائم پاکستان میں اسپینڈ کروں گی۔"

"میڈم-- بیگم معظم آپ کا پوچھ رہی ہیں۔

رسم شروع ہونے والی ہے--"

تب ہی پیچھے سے طلعت کے ایک خاص آدمی نے آ کر اسے اطلاع دی تو وہ معذرت کرتی وہاں سے ہٹ گئی۔

"آپ واپس سیٹل نہیں آئے؟"

اب کی بار اس کا مخاطب وہب تھا۔

"بس اب یہیں رہوں گا۔"

ایک نظر اٹھا کر اس نے میرال کو دیکھا۔۔ پھر دوبارہ اپنے موبائل پر مگن ہو گیا۔

"ماموں یو نو۔۔ میری ماسٹرز ریسرچ

"Feudal power and cyber threats in south Asia" پر تھی۔"

مراد کی آنکھوں میں ستائش ابھری۔

"ڈیجیٹل سیکوریٹی اور آن لائن نیٹ ورکس کے جتنے complicated aspects تھے۔۔ ان سب میں انہوں نے میری بہت مدد کی۔"

اس نے ایک بار پھر وہب کی جانب دیکھا جو نہ جانے کیوں بیزار دکھائی دیتا تھا۔

سنایہ نے باری باری دونوں کو دیکھا۔

"بھابھی آپ کیسی ہیں؟"

تب ہی میرال بھی اس کی جانب متوجہ ہوئی۔

"ٹھیک ہوں۔"

وہ بدقت مسکرائی۔۔

پھر حرم کی طرف پلٹ گئی۔

"اگر آپ فری ہوں۔۔ تو پلیز ایک دن گھر آئیے گا۔"

میرال ایک بار پھر وہب سے مخاطب ہوئی تھی۔

"مجھے ایک پروجیکٹ پر آپ سے کچھ مشورہ کرنا ہے۔"

اس سے پہلے وہب کوئی جواب دیتا۔۔

سنایہ حرم کا ہاتھ تھامے کھڑی ہوئی۔

"کیا ہوا؟"

وہب بھی فوراً ہی اٹھا۔

"اسے واش روم جانا ہے۔"

"آپ بیٹھیں۔۔۔ میں لے جاتا ہوں۔"

حرم کا ہاتھ تھامے وہ آگے بڑھ گیا۔

میرال نے حیرت اور بے یقینی سے اسے دیکھا۔

وہ سنایہ کی اتنی فکر کیوں کر رہا تھا؟

وہ اس کی بھابھی تھی۔

حرم اس کا بھتیجا۔

لیکن وہب کی سنایہ کے لیے فکر بھابھی دیور کے رشتے سے آگے کی تھی۔

وہ اب تک اس بات سے انجان تھی کہ وہ دونوں اب میاں بیوی ہیں۔

وہب چلا گیا تو اس کا وہاں رکنا بھی بیکار تھا سو وہ بھی مراد سے معذرت کرتی آگے بڑھ گئی۔

جس وقت وہب واپس آیا نہ وہاں میرال تھی نہ ہی سنایہ۔

"یہ کہاں گئیں؟"

سنایہ کی کرسی خالی تھی۔

"یہ یا وہ؟"

مراد کیانی نے دور کھڑی میرال کی جانب اشارہ کیا۔۔

وہب ایکدم جھینپا تھا۔

"توبہ کریں بابا۔۔۔"

اس نے تیزی سے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

"کیوں میرے گھر میں پھڈا ڈلوانے چاہتے ہیں۔"

مراد ہولے سے ہنسے تھے۔

"ویسے سب چھوڑیں مجھے بتائیں آپ کے اور ان کے بیچ سیاست کے علاوہ کیا چل رہا ہے؟"

اس نے دور کھڑی طلعت کی جانب اشارہ کیا۔ جو مسکراتی ہوئی کسی سے بات کر رہی تھی۔

"میرے باپ بننے کی کوشش مت کرو۔"

مراد ایکدم جزبز ہوئے تھے۔

"اوکے۔۔ آپ کہتے ہیں تو مان لیتا ہوں کہ ایسا ویسا کچھ نہیں ہے۔ لیکن۔۔۔"

وہب نے کندھے اچکائے۔

لہجے میں شرارت واضح تھی۔

مراد گردن جھٹک کر رہ گئے۔

لیکن ان کے چہرے کا رنگ واضح طور پر بدلا تھا۔

وہ اپنی بیوی سے مخلص تھے۔ طلعت بھی اپنی زندگی میں مگن تھی۔

پھر نہ جانے کیوں ہر ملاقات میں کچھ ان کہی دونوں کے درمیان آ ٹھہرتی تھی۔

لیکن اس کا احساس اب اگر دوسروں کو ہونے لگا تھا تو یہ خطرے کی بات تھی۔

ایک گہرا سانس بھرتے وہ کچھ لوگوں سے ملنے کا کہہ کر جگہ چھوڑتے اٹھ گئے۔

وہب نے انہیں دور تک جاتے دیکھا تھا۔

URDU NOVELS MAG

جاری ہے